جنوری ۱۹۸۳

ماہنامہ

حیات نو

انجمن طلبۂ قدیم

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM

جامعۃ الفلاح بلریاگنج - اعظم گڑھ یوپی (الہند)

BILARIAGANJ - AZAMGARH (U.P.) INDIA

نئے عہدیداران انجمن وارکان شوریٰ

۱۔ صدر ابو المکارم فلاحی دار العلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ بہار

۲۔ سکریٹری نور محمد فلاحی جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی

۳۔ خازن انصار احمد فلاحی بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی

۴۔ رکن شوریٰ محمد عمران فلاحی جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج اعظم گڈھ

۵ 〃 〃 شفیق عالم فلاحی سینٹھیو۔ رانچی بہار

۶۔ 〃 〃 مشرف حسین صدیقی فلاحی صدیقی منزل زینہ عنایت خاں رامپور یوپی

۷ 〃 〃 شبیر احمد فلاحی مرکز جماعت اسلامی ہند ۱۲۵۳ چتلی قبر دہلی

۸۔ 〃 〃 نسیم احمد غازی فلاحی 〃 〃 〃 〃

۹۔ 〃 〃 امیر احسن فلاحی خطیب جامع مسجد بانسی بستی یوپی

۱۰۔ 〃 〃 مقبول احمد فلاحی دفتر جماعت اسلامی نالا اسٹریٹ زکوٹی محلہ بریلی

۱۱۔ 〃 〃 عبید اللہ فہد فلاحی گلشن سہیل۔ بدر باغ علیگڈھ 202001

۱۲۔ 〃 〃 اشتیاق دانش فلاحی ، حبیب ہال حبی گڈھ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ 202001

۱۳۔ 〃 〃 صباح الدین ملک ۵.۵ ہال آسمان منزل 〃 〃

حیات نو

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے آئندہ پرچہ اسی وقت بھیجا جاسکے گا آپ سالانہ چندہ عنایت کریں گے۔

مدیر مسئول — نور محمد فلاحی

مدیر معاون — سیّد راشد علی حامدی

ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری سنہ ۱۹۸۳ء

شمارہ نمبر ۱۰

سالانہ تعاون ۲۰ روپے

قیمت فی شمارہ ۲ روپے

جلد نمبر ۳

نقوشِ حیاتِ نو

دھڑکنیں

عزیزانِ جامعہ کے نام — مولانا صدر الدین اصلاحی

بارگاہِ خداوندی سے

علماء کی ذمہ داریاں — مولانا عبد الحسیب اصلاحی

فکر و خیال

تعدد ازدواج — مسعود حسین فلاحی

دینی مدارس۔ ایک مطالعہ — عبد اللہ قیوم فلاحی

فن توشیح — محمد صلاح الدین عمری

سرسید اور علماء — ابن عبادت فلاحی

گرو بابا نانک اور گرنتھ صاحب — عبد الکریم نظامی اکبرآبادی

خطبۂ استقبالیہ — نور محمد فلاحی

خطبۂ صدارت — الکرام فلاحی

رپورٹ انجمن طلبۂ قدیم — نور محمد فلاحی

شعر و نغمہ

غزل — شفیق طاہری میراث پورکٹرہ

عالمِ اسلام —

اظہر ریحان فلاحی

حلقۂ یاراں

تجاویز و مشورے — راغب کریمی، شمیم اختر

جامعہ کے لیل و نہار — اشو القطری

[illegible]

درسِ تذکیر

عزیزانِ جامعہ کے نام

عزیز فارغین جامعہ! اس موقع پر جب کہ آپ اپنا دو روزہ سالانہ کنونشن منعقد کر رہے ہیں، آپ کو یاد کر کے اور آپ کی ایک بڑی تعداد کو مجتمع دیکھ کر دلی مسرت ہو رہی ہے۔ یہ مسرت بالکل فطری ہے کیونکہ آپ لوگ اب تک کی جامعہ کی مساعی کا حاصل ہیں۔ کون سا کسان ہوگا جس کا چہرہ اپنی فصل کو تیار دیکھ کر دمک نہ اٹھتا ہو۔ مجھے امید ہے کہ آپ کا احساس یا فرض خدام جامعہ کی اس آرزو کو کبھی ٹھیس نہ پہنچائے گا کہ آپ دین کے بہتر سے بہتر ترجمان اور علم بردار بن کر اس اندھیری دنیا کو روشن کریں گے۔

یہ حقیقت [illegible] ن رہی ہوگی لیکن میں مزید یاد دہانی کرا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کو جو سند فراغت ملی ہے وہ حصول علم سے فارغ ہو جانے کی سند نہیں ہے بلکہ فی الواقع صرف اس بات کی سند ہے کہ آپ علم کے دروازے پر کھڑے ہو گئے ہیں، اور اب اس در کے اندر داخل ہو جانا اور پھر مسلسل آگے بڑھتے جانا اور بڑھ کر کسی منزل خاص تک پہنچ سکنا تمام تر آپ کی اپنی کوششوں اور جگر سوزیوں پر موقوف رہے گا۔ لیس للانسان الا ما سعی ایک ٹھوس اور دائمی حقیقت ہے، تجربہ اور مشاہدہ اس کے گواہ ہیں۔ ایسا قانونِ قدرت ہے جو آج تک کبھی کسی کے لیے بھی نرم نہیں کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی آئندہ زندگی میں اس حقیقت کو اچھی طرح یاد رکھیں گے کہ اسی میں آپ کی بھی کامیابی اور خوش انجامی کا راز پنہاں ہے، جامعہ کی کامیابی کا بھی اور سب سے بڑھ کر دین و ملت کی بہبود کا بھی۔ مجھے یہ اندازہ کر کے خاصا اطمینان ہو رہا ہے کہ افق پر کرنیں نمایاں ابھرتی جا رہی ہیں۔ خدا کرے کہ یہ کرنیں بلند سے بلند تر اور روشن سے روشن تر ہوتی جائیں۔

عزیزو! آپ اس امر سے بھی ناواقف نہ ہوں گے کہ آپ زندگی کے جس وسیع تر میدان میں قدم رکھ چکے ہیں یا رکھنے والے ہیں، اس میں آپ کو بڑے بڑے نشیب و فراز سے دوچار ہوتے رہنا پڑے گا، طرح طرح کے کانٹے آپ کے دامنوں سے الجھیں گے، قدم قدم پر چٹانیں روک بننا چاہیں گی۔ توقع ہے کہ یہ چیزیں آپ کے لئے دائمی روک بن جانے کے بجائے مہمیز کا کام دیں گی۔ ہمت کی کمی اور حوصلے کی پستی کو آپ کبھی اپنے اوپر قابو نہ پانے دیں گے، کیونکہ اس خامی کے ساتھ کامیابی کبھی جمع نہیں ہوا کرتی۔ ٹھیک اسی طرح عزم و ہمت وہ طاقت ہے جس سے محرومی کبھی آنکھیں نہیں ملا سکتی۔ اس جامعہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس نے اپنے شاہین بچوں کو کبھی خاک بازی کا سبق نہیں دیا ہے۔ اس لئے اسے یہ امید رکھنے کا حق حاصل ہے کہ آپ بھی اس کی شان پر حرف نہ آنے دیں گے۔

میری دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال آپ کا حامی و ناصر ہو۔ علم آپ کے آگے آگے نور بن کر چلتا رہے اور عمل آپ کو بلندیوں تک لے جاتا رہے۔ آمین [illegible] رب العالمین۔

صدر الدین اصلاحی
۲۲ نومبر [illegible]

بارگاہِ خداوندی سے

مولانا عبدالحسیب اصلاحی
مفسر قرآن جامعۃ الفلاح

علماء کی ذمہ داریاں

الٓرٰ کتاب ...... وهو العزیز الحکیم   سورۃ ابراہیم ۱ تا ۴

ترجمہ: یہ الف، لام، را ہے یہ کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے اس خدا کی راہ کی طرف جو غالب و مقتدر ہے اور جو مستحق حمد و ثنا ہے وہ خدا جو کہ ان تمام چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور تباہی ہے کافروں کے لئے یعنی ان کے لئے عذاب سخت ہے وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں آخرت پر اور راہ حق سے روکتے ہیں اور مشکل چاہتے ہیں۔ وہ بہت بڑی گمراہی میں ہیں ہم نے جب بھی رسول کو بھیجا تو اس قوم کی زبان میں ہی اس کو بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو واضح کرے پس اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے وہ غالب و مقتدر ہے اور حکمت والا ہے۔

محترم حاضرین اور قدیم و جدید عزیز طلبہ! میں نے ابھی آپ کے سامنے سورۃ ابراہیم کی ابتدائی آیات اور اس کا ترجمہ پیش کیا ہے یہ سورہ مکہ کے اس دور کی سورہ ہے جب پیغمبر نے ہزار جتن کئے۔ ہزار کوششیں کیں مگر قوم کا اعراض و تکذیب برقرار رہا، حق و باطل کی کشمکش برپا تھی دعوتِ حق کی مخالفت روز بروز بڑھ گئی۔ ایسے حالات میں یہ سورہ اتری ہے اور یہ سورہ نبی کے لئے اور اصحاب نبی کے لئے پیغام تسکین لاتی ہے۔ یہ سورہ واضح کرتی ہے کہ پیغمبر کی ذمہ داری کیا ہے؟ اس کے حدود کیا ہیں اور وہ اس سلسلہ میں وہ کس بات کا مسئول اور ذمہ دار ہے؟ تو آئیے ایک ایک آیت کو لیکر اس کی تفصیل پر ذرا غور کریں۔

آغاز میں حروف مقطعات آئے ہیں آپ طلبہ قرآن جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر مختلف سورتوں [illegible] مقطعات پائے جاتے ہیں حروف مقطعات کی مختلف تحقیقات ہیں مختلف اقوال و آراء ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل ترجیح جو رائے اور قول ہے وہ میری دانست میں یہ ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اور سورتوں کے آغاز میں علامت اشارہ کے طور پر اللہ تعالٰی نے ثبت فرما دیئے ہیں جس طریقہ سے آپ اشخاص کو، شبیہ کو ان کے ناموں سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور ان کے مابین فرق و امتیاز کرتے ہیں ویسے ہی اللہ تعالٰی نے جن سورتوں کے آغاز میں اس طرح کے حروف ثبت فرما دیئے ہیں وہ سورتوں کے نام کا کام دیتے ہیں اور ان کے درمیان پہچان کا ذریعہ بنتے ہیں چنانچہ بہت سی سورتیں انہی حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں اور انہی سے جانی پہچانی جاتی ہیں اس سلسلے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسم و مسمی میں مناسبت کوئی ضروری بات نہیں ہوا کرتی۔ بہتوں کے نام آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ رکھتے ہیں بہادر حالانکہ وہ ہوتے ہیں اس کے بالکل برعکس۔ اللہ نے بھی جو ان سورتوں کے نام رکھے ہیں ظاہر ہے کہ نام اور سورہ میں کوئی مناسبت ہوگی۔ نام میں اور موضوع میں کوئی تعلق ہوگا۔ ایسا تو ضرور ہوگا اگر ہم نہ سمجھ سکیں تو یہ ہمارے فہم و علم کی کوتاہی اور اس کا قصور ہے۔ سو ترکیب کے اعتبار سے جب یہ بات قرار پائی کہ سورتوں کے نام ہیں اور ان سے مراد پوری کی سورہ ہے تو تالیف کلام کے لحاظ سے یہ خبر بن جاتی ہے اور مبتدا مقدر مانا جاتا ہے

یہ کتاب ہے ہماری نازل کردہ کسی انسان کی تخلیق نہیں کسی ذہن کی کاوش نہیں خالق ارض و سماء کی نازل کردہ کتاب ہے۔ اس کتاب

کا مقصود کیا ہے، اس کو اتارنے کا مقصد کیا ہے، وہ اے پیغمبر تاکہ تم لوگوں کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکال کر نورِ توحید میں لاؤ۔ یہ انسانیت جو بھٹک رہی ہے، کفر و شرک کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہی ہے، مختلف وادیوں میں بھٹک رہی ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر شاہراہِ حق پر لے آؤ۔ "باذنِ ربہم" ان کا یہ نکلنا تاریکیوں سے روشنی کی طرف آنا، تاریک وادیوں سے شاہراہِ حق پر آ جانا اللہ کی اذن اور مشیت سے مطلوب ہے۔ اسکی حکمت اور مصلحت کے ساتھ۔ اس میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔ "انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء" "تم ہر کس و ناکس کو ہدایت نہیں دے سکتے ہو۔ ہدایت تو اللہ دے گا جس کو وہ چاہے گا، جس کو چاہے گا" کے الفاظ سے آپ کو دھوکہ نہ ہو۔ یہ وہ بات نہیں ہے جو ہماری زبان میں بالعموم عادت کہی جاتی ہے کہ ریوڑی بانٹے اور اپنے ہی گھر لے کر بیٹھ کرے۔ نہیں ایسا نہیں ہے اللہ کی حکمت اور اس کی مشیت پابند نہیں ہے۔ اس کی ذات منصف، رحمت و شفقت ہے۔ اس سے یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ اس طرح کی ناانصافی کرے کہ کسی خاص خاندان کو، کسی خاص قوم کے افراد کو، کسی خاص سرزمین کے انسانوں کو اپنے فضل سے نوازے اور دوسروں کو نظر انداز کر دے بلکہ جو لوگ اس کی ہدایت کی طرف رغبت رکھتے ہیں، اللہ نے بات ان کی فطرت میں ودیعت فرما دی ہے اپنی جو معرفت پہلے سے ان کے دل میں ڈال دی ہے تو ان کی آنکھ کا سامان بھی اللہ نے جو کتاب بھی کو دی ہے جو لوگ اس کی قدر کرتے ہیں۔ جو لوگ اس شمع کو فروزاں رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی راہ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی مشیت یہی ہے اور اس کی سنت و طریقہ یہی ہے کہ انہیں لطف مزید اور ہدایت مزید سے نوازتا ہے اور ان کو اس راہ پر بڑھاتا رہتا ہے باذنِ ربہم کی قید لگا کر نبی کی ذمہ داری بھی بتا دی اس کے حدود بھی متعین کر دیے تاکہ نبی کسی بھی مرحلے میں یہ ذمہ داری اپنے اوپر نہ ڈال لے [illegible] یہ سمجھ بیٹھے کہ سب ہی لوگوں کو راہِ حق پر لا کھڑا کرنا میری ذمہ داری ہے [illegible] فرض ہے [illegible] سمجھ لے کہ جو راہِ حق پر آنے کے لئے [illegible] ڈال لینا چاہئے [illegible] ہر حال میں یاد رکھنا چاہئے [illegible] ہدایت [illegible] اور شاہراہِ حق پر لا کھڑا ہونا [illegible] یہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے اس کی مشیت پر موقوف ہے اس کی مشیت اسی کے [illegible] کے ساتھ مشروط ہے جو لوگ [illegible] ہیں۔

اس کلمہ کے بعد الیٰ صراط العزیز الحمید کی تکرار مقصد کی گئی ہے جو اس سے بدل ہے۔

اے پیغمبر تم لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور میں لاؤ یعنی اس شاہراہ پر لاؤ جو عزیز و حمید کی شاہراہ ہے۔ اس ذات کی شاہراہ ہے جو غالب و مقتدر ہے اور جو مخلوق کے لئے سراپا حمد ہے۔ پھر یہ بات تو خالق کائنات کی ہے کہ اس کی یہ صفات اس کی یہ حیثیت کہ وہ مالک ارض و سماء ہے وہی غالب و مقتدر ہے اس کا یہ کرم پھیلا ہوا ہے جس سے سب مستفید ہوتے ہیں، اور سب سے بڑی نعمت اس کی یہ ہے کہ اللہ نے یہ کتاب اتاری ہے اس کتاب کے انزال پر جتنی بھی حمد و ثنا کی جائے کم ہے تو اس پہ لاؤ جو ان صفات سے متصف ہو یہ صفات اس بات کی متقاضی ہیں کہ آدمی اس کے غضب اس کے غلبہ و اقتدار سے ڈرے اور اس کی راہ پر چلے جس نے یہ خوانِ نعمت بچھایا ہے، اس کا شکر بجا لائے اور اس نعمت کے آ جانے پر سراپا شکر و سپاس بن جائے۔ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے، یہ صفات اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اس کے بالمقابل جو لوگ کفر کا رویہ اختیار کر رہے ہیں ان کے لئے اس میں وعید سنائی گئی ہے

ہلاکت و بربادی ہے۔ یہ اس کا بیان ہے اور اس کی وضاحت عذاب شدید سے کی گئی ہے، ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ کافرین کے لفظ پر بطور تفسیر یہ کہہ دوں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ جب یہ قرآن اتر رہا تھا اس دور کا انسان خدا کا منکر تھا، خدا کا منکر نہ اس دور کا انسان تھا نہ ماضی کے ادوار میں کوئی ایسا انسان پایا گیا۔ یہ عجیب انسان یہ نادر روزگار انسان اسی دورِ ترقی میں پایا جاتا ہے وہ بھی خال خال جو دہریت زدہ ہے جو الحاد میں مبتلا ہے۔ انکار کا مرتکب ہے خدا کو ماننے سے گریزاں ہے۔ ماضی میں انسان نے کبھی بھی انکارِ خدا کا ارتکاب نہیں کیا پھر کافر کیوں کہا گیا، یہ منکر کا معنی تو دے کیوں ادا کیا گیا۔ البتہ اپنے ذہن میں رکھیں کہ ماضی میں جب بھی انسان نے خدا کو مانا ہے اسے مانا ہے لیکن اس کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے اس کی صفات میں اس کے حقوق و اختیار میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے [illegible] قرار دیا ہے اس [illegible] کے ساتھ شریک [illegible] کافر [illegible]

ہے کہ یہ خدا کے منکر ہیں اور یہ زمانے کے برابر ہے اور انکار کرتے ہیں ہم
معنی اور مترادف ہے۔ آپ کو اس آیت سے یہ بھی دھوکہ نہ ہو جو وہ کہا کرتے
تھے وما یہلکنا الا الدھر۔ اس سے بہت سے مفسرین اس طرف
گئے ہیں کہ ایک گروہ تھا جو دہریوں کا تھا، خدا کا منکر تھا لیکن
ایسا نہیں تھا۔ قرآن جب انہیں کہتا تھا یعنی جب انہیں اس بات کی
تاکید کرتا تھا کہ اے لوگو! مجھ حق پوشی میں لو خدا کی بات اگر تم نہیں
سنتے ہو اس کی راہ پر اگر تم نہیں آتے تو اسی طرح گرفتار عذاب ہو گے
جس طرح پہلی قومیں ہو گئیں ان کا عروج ان کا زوال، ان کا اقبال، ان
کی ترقی کو قرآن وابستہ کرتا تھا اخلاق کے ساتھ ایمان کے ساتھ کفر
و شرک کے ساتھ۔ وہ کہتے کہ ان پر ان ضوابط کا اطلاق کیا معنی رکھتا
ہے یہ تو بس ہوتا رہتا ہے بس ایسا ہے کوئی قوم ابھری پھر زوال
پذیر ہو گئی۔ کوئی قوم وجود میں آئی پھر نابود ہو گئی۔ اس کی پشت پر کسی
عقیدے کا کسی نظریہ کا، کسی اخلاق کا، کسی عمل کا اس سے کیا تعلق
ہے۔ اس کے ثبوت میں جسے وہ تعبیر کرتے تھے جسے قرآن نے نقل کیا ہے
"وما یہلکنا الا الدھر" تو اس سے یہ مغالطہ نہ ہو وہ تو اسی کی اس
بات کا جس کی انہوں نے تعبیر کی ہے۔ اس کا جواب قرآن نے دیا ہے یہاں یہ
پھر ایک بات آگے آ رہی ہے "الذین یستحبون الحیاۃ الدنیا علی الآخرۃ"
کافرین کے لئے اللہ کا انکار کرنے والوں کے لئے عذاب سخت ہے
یعنی ان کافرین کے لئے دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں
دراصل انہیں پر ان کے کفر کا، ان کے شرک کا، ان کے اعراض کا سبب
بتا دیا گیا ہے۔ ان کے راز کو فاش کر دیا گیا ہے۔ اے پیغمبر ان کا
اعراض اس بنا پر نہیں ہے کہ تمہاری دعوت میں کوئی کسر ہے
بلکہ وہ دنیا پر ریجھے ہوئے ہیں اور آخرت کو فراموش کئے ہوئے ہیں انجام
سے بے پرواہ ہیں اور خود راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ دوسروں کو بھی
راہ حق سے روکتے ہیں اور اس کو کج کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں
کہ اگر ہم سے مطالبہ ہو تو ہماری خواہش ہی کی مطابق مطالبہ ہو تب
تو ہمارے لئے قابل قبول ہے

ان کے کفر و شرک کا محرک بتا کر گویا یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ
آپ اعراض سے دل گرفتہ نہ ہوں، دل شکستہ اور غمزدہ نہ ہوں۔ یہ لوگ
دنیا پرست ہیں، عیش پرست ہیں، نفع عاجل کے خواستگار ہیں۔ آخرت
سے غافل ہیں اگر یہ سب کرتے ہیں تو مقام حیرت نہیں ہے۔ نہ کریں تو حیرت
ہے۔ انہیں کہنا چاہئے تھا کرتے کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے
جب بھی کوئی رسول بھیجا کوئی فرستادہ بھیجا تو اسی قوم کی زبان
میں بھیجا جب بھی کوئی رسول آیا اسی کی زبان میں، اور نبی اور اس
کی قوم کی جو زبان ہوتی اسی زبان میں احکام و قوانین اور کتاب و
شریعت بھی آتی تھی اللہ کی طرف سے اتمام حجت کا سامان ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ اس طرح سے ان پر احسان فرماتا ہے۔ لیکن انسان کتنا
نادان اور ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات گوناگوں احسانات
نوع بنوع کے احسانات کے باوجود اس سے اعراض کرتا ہے۔
صحیح تو یہ ہے کہ "لیبین لھم" یعنی یہ اہتمام یہ انعام اللہ تعالیٰ کیوں کرتا
ہے تاکہ وہ حق خوب کو ان کے لئے واضح کر دے حق و باطل کو بالکل
صاف صاف کر کے بتا دے۔ اور تبیین حق اس وقت تک ممکن نہ تھی
جب تک کہ داعی حق کسی قوم کا فرد نہ ہوتا اور اسی قوم کی زبان اور بولی
نہ بولتا ہوتا، اس قوم کی زبان میں کتاب اور صحیفے نہ اترتے "فیضل من
یشاء ویھدی من یشاء" پس اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے
چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے یعنی باہیں اہتمام اگر کوئی شخص گمراہی
پر مصر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی سنت و مشیت کے تحت ہے
اے پیغمبر اے اصحاب پیغمبر آپ اس پر دل گرفتہ نہ ہوں یہ جو گمراہ
ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی اس سنت و مشیت کے تحت گمراہ
ہو رہے ہیں جس کا میں نے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ تو اللہ جس کو چاہتا
ہے گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ وہ عزیز
ہے غالب و مقتدر ہے حکمت والا ہے۔ یہ سب اسی حکمت کے
تحت اس کی مشیت کے تحت اور اس کی سنت کے تحت ہوتا ہے۔

تو یہ ہیں آیات جن میں نبی کو بتایا گیا ہے کہ اے نبی اس کتاب کا نزول
اس لئے ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کس حد تک ذمہ دار اور مسئول
ہیں اور آپ کو کرنا کیا ہے جو لوگ مانتے ہیں ان کے لئے کیا انعام
ہے اور جو لوگ نہیں مانتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیسا سخت
عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ آیات ہم سے کیا کہتی ہیں اور ہمارے لئے
ان سے کیا استفادہ ہو رہا ہے اس پر چند فقرے کہنا چاہتا ہوں۔

عزیز قدیم و جدید طلبہ اور محترم حاضرین! اللہ کی یہ کتاب ہمارے
ہاتھوں میں ہے صبح و شام ہم اس کی تلاوت کرتے ہیں ہم میں سے
بیشتر لوگ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کتاب کا علم رکھتے ہیں۔

ان کی تعلیم میں مشغول ہیں اور اس سے بڑی سعادت کسی کو اور کیا مل سکتی ہے "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اللہ کی یہ کتاب جس کا علم جس کا فہم اور جس کے اسرار وحکم ہم پر منکشف ہیں اس سلسلے میں ہماری کیا ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اس پر بھی سوچنا ہے۔۔ میں نے در اصل ان آیات کا انتخاب اس لئے کیا کہ آج باوجود اس کے کہ برقی قمقمے ہر طرف روشن ہیں گلی کوچے سب کے سب روشن ہو گئے ہیں لیکن میرا خیال ہے میرا اندازہ ہے کہ ماضی کی تاریکی کے مقابلے میں آج کی تاریکی کے پردے دبیز ہو گئے ہیں۔ اس وقت کا انسان کہیں بھٹک رہا تھا کہیں ہار رہا تھا لیکن آج انسانیت دم توڑ رہی ہے۔۔۔ سسک رہی ہے مختلف فکر وخیال کی راہوں اور خرافات کی ہر طرح کی گمراہیوں میں، ہر طرح کی تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ وہ دعوت دے رہی ہے چیخ چیخ کر گویا کہ پکار رہی ہے کہ جن کے پاس اس کتاب کا علم ہے جن کے پاس اس کتاب کی روشنی ہے جن کے سامنے یہ راہ حق عیاں ہے، وہ اٹھیں اس کتاب کو لیکر، وہ اٹھیں اس نور کو لیکر، اور انسانیت کا ہاتھ پکڑیں، اسے راہ حق پر لانے کی کوشش کریں در اصل ہماری یہ ذمہ داری ہے جس کی طرف ہمیں متوجہ ہونا اور پلٹنا ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے "واوحی الیّ ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ" اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ میری طرف یہ قرآن اتارا گیا ہے تاکہ میں تمہیں ڈراؤں اور جسے یہ قرآن پہنچے وہ اسے دوسرے انسان کو ڈرائے۔

نبی نے اس قرآن کو پاکر لوگوں کو ڈرایا اس کا حق ادا فرمایا، زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے لئے قربان کیا۔ اب یہ قرآن مختلف ادوار سے گذرتا ہوا اپنی آنکھوں سے امت مسلمہ کا عروج وزوال دیکھتا ہوا اب ہم تک آ پہونچا ہے، اب ہم بدنصیبوں کے ہاتھ میں یہ قرآن ہے۔ اب ہماری خوش نصیبی یا بدنصیبی کا امتحان ہے کہ اس کے ساتھ ہم کیا سلوک کرتے ہیں۔ یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ اس لحاظ سے ہم بدنصیب ہیں کہ اس کتاب کے علم سے بے بہرہ ہیں، اللہ تعالےٰ نے اس پہلو سے ہمیں بدنصیب نہیں فرمایا ہے ہمیں یہ خوش نصیبی عطا فرمائی ہے کہ اس کا علم عین نہیں تو کم ہی سہی، بہت نہیں تو تھوڑا ہی سہی ضرور عطا فرمایا ہے اس کے اسرار وحکم اور اس کے معانی ومفاہیم اگر سبھی نہیں تو تھوڑے ضرور عطا فرمائے ہیں اگر اس کے لعل وگہر سے ہمارے جیب ودامن کو بھرا نہیں ہے تو کچھ موتی ہمارے دامن میں ضرور نظر آتے ہیں۔ ہماری یہ ذمہ داری قرار پاتی ہے چاہے وہ معلمین ہوں چاہے اس کتاب کے طالبان ہوں یعنی طلبۂ قرآن ہی چاہے وہ مسند درس پر بیٹھ کر درس دے رہے ہوں یا چاہے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے ترقی کر رہے ہوں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے سب کی یہ ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ ہم جہاں اس کتاب کا علم حاصل کر رہے ہیں جہاں اس کے معانی وحکم سے مستفید ہو رہے ہیں اپنی زندگیوں کو اس نور سے منور کر رہے ہیں، وہیں اس نور کو لیکر اٹھیں اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو روشنی دکھائیں، آج انسانیت کن کن مشکلات سے دوچار ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے خود ہم بھی ان مشکلات سے دوچار ہیں، وہ خود اپنی آپ بیتی ہے، آپ بیتی کس کو کیا بتائی جائے سچ تو یہ ہے کہ ہم کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس چاہئے اور ان کو ادا کرنے کی فکر چاہئے تب ہی جاکر ہم اس کتاب کا صحیح حق ادا کر سکیں گے۔ اپنی عزت واقبال کے لئے دنیا میں بھی اللہ تعالےٰ کی نظر کرم کو اپنی طرف مائل کر سکیں گے اور آخرت کی حسنات اور کامیابی کے لئے اللہ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو سکے گی۔ میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس کتاب کا صحیح علم وفہم عطا فرمائے۔ آمین۔ اس کے معانی وحکم سے ہم کو آشنا کر دے، ہمارے قلب وجگر کو منور کر دے۔ ہماری زندگیوں میں اس کو جاری وساری فرما دے اور اس کی ہدایت کو لیکر بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ دکھانے کی توفیق، ہمت، استطاعت، استقامت اور قوت عطا فرمائے

آمین

خلد سے رخت سفر باندھ کے آنے والا
پوچھتا ہے کہ کرے خاک پہ تعمیر ارم

شفق طاہری

منور حسین فلاحی
علیگڑھ

تعدد ازدواج

اعتراضات:- ۱. کہا جاتا ہے کہ کسی عورت کو ایسے شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا سراسر ناانصافی ہے جس نے دوسری شادی کر لی ہو۔ ایسا کرنا ناانصافی اسی وقت ہوگی جب یہ ثابت ہو جائے کہ شوہر اس کا حق مار رہا ہے، مساوات کا برتاؤ نہیں کر رہا ورنہ کسی عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ شوہر سے مطالبہ کرے کہ وہ دوسری کو طلاق دیدے یا خود کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے۔ ایک حدیث میں کہا ہے کہ کوئی عورت شوہر سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ وہ دوسری بیوی کو طلاق دیدے تاکہ وہ اس کے مال سے دوہرا حصہ وصول کرے کیونکہ کسی کو اس سے زیادہ نہیں مل سکتا جتنا اس کا حق ہے یا جتنا اسے ملنا ہے۔ یعنی حق سے زیادہ یا تقدیر میں لکھے سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش عبث ہے۔ یا دوسروں کو محروم کرنے کی کوشش کرنا اچھی بات نہیں۔

۲. دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عورتیں عموماً تعدد ازدواج کو ناپسند کرتی ہیں کیونکہ اس سے ان کے ساتھ عموماً ناانصافی ہوتی ہے اس لئے ان کا یہ مطالبہ کہ تعدد ازدواج پر پابندی لگائی جائے ان کا ایک جمہوری حق ہے اور اسے منظور کیا جانا چاہئے۔ بظاہر یہ ایک معقول دلیل ہے، آیئے ہم بھی اس کی معقولیت کو پرکھیں۔ بالفرض اگر اکثریت کا مطالبہ تسلیم کر بھی لیا جائے جو کہ حقیقت نہیں ہے تو یہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے کہ عورتیں جذباتی ہوتی ہیں۔ سماج کے پیچیدہ مسائل میں ان کا فیصلہ عموماً یکطرفہ اور خود ان کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر عورتیں اس فیصلہ میں حق بجانب ہوں کہ تعدد ازدواج ان کے حق میں ناانصافی ہے تو انہیں اس کا پتہ نہیں ہے کہ اس کا خاتمہ ان کے لئے زیادہ پریشانی اور مصیبتوں کا سبب ہے۔

تیسرے یہ کہ عورتوں کی پسند یا ناپسند مسائل کا حل تو ہے نہیں عورتیں مشترکہ خاندانی نظام کو ناپسند کرتی ہیں تو اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ عورتیں اپنی ساس یا شوہر کے رشتہ داروں کو نہیں چاہتیں تو شوہر ان کی رضا کی خاطر سب کو الگ کر دے۔ عورتیں شوہر سے پوری توجہ کا مطالبہ کرتی ہیں صرف جنسی نہیں بلکہ سماجی اور معاشی بھی تو کیا وہ ان کو خوش رکھنے کیلئے اپنی ماں بہنوں سے جدا ہو جائے اور ان سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے۔

۳. بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب بعض مسلم ممالک میں تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیدیا گیا تو پھر ہندوستانی مسلمان ہی کیوں اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جن ممالک کی بات کہی گئی ہے وہ مسلم ممالک ہیں اسلامی ممالک نہیں۔ قرآن وحدیث مسلمانوں کے رہنما ہیں مسلم ممالک نہیں۔ ایک صاحب علم آدمی مسلم ممالک اور اسلامی ممالک کا فرق بخوبی سمجھتا ہے۔

۴. سیکولر حضرات کا اعتراض یہ ہے کہ دستور ہند حکومت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ مذہبی آزادی میں مداخلت کر سکتی ہے اگر وہ حکومت کے مفادات سے متصادم ہو۔ تعدد ازدواج حکومت کے مفادات سے میل نہیں کھاتا اس لئے اس پر پابندی لگنی چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ حکومت کی اس قسم کی مداخلت، اخلاق، صحت اور مفاد عامہ کے خلاف ہوگی، دوسرے یہ کہ کوئی شخص یہ نہیں ثابت کر سکتا کہ مسلمانوں کے پرسنل لا پر عمل کرنے سے سماج یا ملک کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے۔ مسلم پرسنل لا باہم دگر مربوط مجموعہ قوانین ہے اس کے کسی قانون کو بدلنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ پورے مجموعہ کو ناکارہ اور بے معنی قرار دیدیا جائے۔

۵. ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اسلام کے نزدیک خواتین اور معاشرہ

وشہادت کے قوانین بنائے گئے تو کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن یہاں سوال کو دو رُخ سے پیش کرتے ہیں۔ اعتراض میں پہلی غلطی تو یہ مفروضہ ہے کہ ملک کا ہر شہری مسلمان ہے اور کوڈ کو تسلیم کرتا ہے صرف مسلمان نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ مسلم پرسنل لا کے اثرات مجرم معاہدے و شہادات کے قوانین کے مقابلے میں دور جدا نوعیت رکھتے ہیں۔ پرسنل لا کا تعلق روزمرہ کی زندگی سے بہت گہرا ہے۔ تیسرے یہ کوئی دلیل نہیں ہوئی کہ اگر کوئی اپنی جائداد کا کچھ حصہ کھو دے تو باقی کی حفاظت کیلئے سعی جدوجہد نہ کرے۔

۵۔ ہندوستانی عدلیہ کی یہ رائے ہے کہ تعدد ازدواج بہت سماجی خرابیوں کی جڑ ہے۔ ہماری عدلیہ کا یہ فیصلہ جلد بازی کا فیصلہ ہے۔ اس نے چند حالات سے متاثر ہوکر یہ فیصلہ دے ڈالا جو بہت ہی افسوسناک اور تکلیف دہ ہے۔ یہ عقل و دانش سے بعید ہے کہ چند کیس کی بنیاد پر پورے کا پورے ہی معاشرے کے بارے میں رائے قائم کر ڈالی جائے کہ جو عمل ایسا یکا ہوتا ہے یا اس طریقہ کار کا اثر لازمی ہوتا ہے۔ کبھی بھی کسی خاص کیس کو عام قانون کا ذریعہ نہیں بنایا گیا۔ ورنہ ایسے کیس پائے گئے ہیں جس میں ایک زوجگی میں تلخیاں ہوتی ہیں اور نوبت طلاق تک پہنچی ہے تو کیا اس کی بنیاد پر ہماری عدلیہ اسے بھی خرابیوں کی جڑ کہے گی اور یک زوجگی کو بھی منسوخ قرار دے گی۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلم سماج میں جو غیر مستند عناصر پائے جاتے ہیں وہ پرسنل لا پر عمل کرنے سے نہیں بلکہ اسے نظرانداز کرنے سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اگر آج بھی وہ اپنی شریعت کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں تو ان کے نظام حیات کی برتری کا سکہ تمام دوسرے نظام ہائے حیات پر بیٹھ سکتا ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت آپ پر پوری طرح عیاں ہو گئی ہوگی کہ ان اعتراضات کی کیا وقعت ہے اور ان میں کس قدر وزن ہے۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ یک زوجگی اور تعدد ازدواج میں سے کون شادی کے مقاصد کے اعتبار سے اور عمل کے نتائج کے اعتبار سے کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شادی کی اقسام میں یہی دو قسمیں ہیں جن کے حسن و قبح پر گفتگو ہوتی اور ہو سکتی ہے اور جن پر اب تک عمل چلا آ رہا ہے ورنہ باقی اقسام یا تو تخیل کی پیداوار ہیں یا وقت کی گرد کے ساتھ دفن ہو گئیں۔

موازنہ :۔ شادی کے مقاصد جو ابتدا میں بیان کئے گئے ان پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یک زوجگی کے مقابلہ میں تعدد ازدواج ان کو بہتر طریقہ پر انجام دیتے ہیں اور یہ اس بہتری کی ایک بڑی دلیل اور بین ثبوت ہے۔

۱۔ **جنسی ضروریات کی تسکین :۔** جیسا کہ ظاہر ہے یہ مقصد یک زوجگی بہ نسبت تعدد ازدواج کے تحت بہتر طور پر اور جائز طریقہ سے انجام پا سکتا ہے۔ یک زوجگی میں تو بسا اوقات تشفی بھی نہیں ہوتی۔

۲۔ **بچوں کی پیدائش :۔** یہ شادی کا دوسرا مقصد ہے۔ اسکے لئے بھی یک زوجگی کے مقابلہ میں تعدد ازدواج ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے تحت بچے زیادہ پیدا ہوں گے۔ یک زوجگی میں تو یہ ہو سکتا ہے کہ بیوی بانجھ ہو یا شدید مرض میں مبتلا ہو کر اس سے تعلق نہ قائم کیا جا سکے یا اس سے صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ تعدد ازدواج میں یہ اندیشے نہیں رہتے۔

۳۔ **بچوں کی مناسب پرورش :۔** یہ مقصد بھی تعدد ازدواج میں بہتر طریقہ سے انجام پا سکتا ہے۔ ہر بیوی اپنے بچوں کی ایک دوسرے سے بہتر طریقہ پر پرورش کرے گی اور اگر ان میں سے کوئی مریض ہو جائے یا انتقال ہو جائے تو دوسری اس کے بچوں کی نگہداشت کر سکتی ہے جبکہ یک زوجگی میں یہ متبادل نہیں تھا۔

۴۔ **نسل انسانی کی بقا :۔** جیسا کہ دوسرے نمبر پر ذکر کیا گیا یہ مقصد تعدد ازدواج ہی بہتر طریقہ پر پورا کرتا ہے۔

۵۔ **ایک دوسرے کی ضرورت کی تکمیل :۔** یہ ضرورت چاہے جسمانی ہو معاشی ہو یا کسی اور قسم کی۔ تعدد ازدواج اسے اچھی طرح پورا کرتا ہے۔ ایک مرد خوشحال ہونے کی وجہ سے کئی عورتوں کی کفالت کر سکتا ہے۔ ان کا معاشی مسئلہ اور جنسی ضرورت سب پوری ہو سکتی ہے جبکہ ایک عورت میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ مرد کی جنسی ضرورت کو پوری طرح تسکین کر سکے کیونکہ بہت سے مواقع پر وہ اس کی اہل ہی نہیں رہتی۔

ہو، خاندان کا قیام ہو۔ ان کا انحصار بچوں کی پیدائش اور پرورش پر ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا، دونوں کام بھی تعدد ازدواج ہی کے تحت صحیح طریقے سے انجام پاتے ہیں۔ اس لئے خاندان کے قیام کا بہتر ذریعہ بھی تعدد ازدواج ہی ثابت ہوا۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ دونوں طریقوں میں سے کسی کو اپنانے کے نتائج کس صورت میں ہمارے سامنے آئے۔

مغرب نے یک زوجگی Monogamy کو ایک مثالی طریقہ قرار دے لیا اور تعدد ازدواج کو ظالمانہ کہہ کر ٹھکرا دیا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے طلاق کی شرح میں روز افزوں اضافہ، خاندانی زندگی کا خاتمہ، خانگی ذمہ داریوں سے گریز اور جانوروں کی طرح جہاں جی چاہے منہ مارنے کی عادت۔ یہ ہیں ثمرات Ideal type of marriage پر انحصار کرنے کے اور Polygamy پر پابندی کے۔

دو عالمی جنگوں سے انسانی سماج پر جو تباہ کن اثرات پڑے ہیں، عورتیں بے سہارا ہو گئیں بچے یتیم ہو گئے۔ ان کا کوئی معقول حل تجویز کرنے کے بجائے پرانے خیالات پر اصرار اور نامعقول طریقوں کو اختیار کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ عورتوں نے معاش کیلئے ملازمت کی یا اور کوئی پیشہ اختیار کیا جو بظاہر روٹی روزی کی ایک کوشش تھی۔ اس سے حرامکاری کو فروغ ملا۔ اس سے پیٹ کی بھوک مٹانے کی راہ تو ڈھونڈ نکالی گئی لیکن جنسی بھوک کے خاتمہ کا کوئی جائز طریقہ نہ ڈھونڈا جا سکا۔ عورتوں کا باعزت مقام بھلا دیا گیا۔ ناجائز تعلقات کے نتیجے میں جو لاوارث بچے ہوئے وہ بے سہارا ہونے کی وجہ سے مجرمانہ ذہنیت کے ساتھ پلے بڑھے اور سماج کیلئے ناسور بنے۔

عالمی جنگوں کے بعد کی اس صورتحال پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔ مغربی مفکرین جو یک زوجگی کے سخت حامی ہیں ان حالات کا کوئی حل پیش نہیں کرتے۔ زندگی کے مسائل سے ان کی یہ مجرمانہ غفلت اور غیر ذمہ دارانہ طرز فکر اس بات کی غماز ہے کہ وہ اکثر بے سوچے سمجھے کسی چیز کی حمایت یا مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں جنسی تسکین ایک جبلی ضرورت ہے جسے شادی و خاندان کے جھمیلوں میں پڑے بغیر پورا کیا جا سکتا ہے۔ تعدد ازدواج پر پابندی نے جو خلا پیدا کیا ہے زنا بالرضا اور طوائفوں کے کاروبار سے پر کر دیا گیا اور اس طرح مغرب ایسے نازک مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں اندرونی اضطراب اور معاشی الجھنوں کا خاتمہ اولین ضرورت ہے۔ خود ساختہ قانون کی یہ بنیادی خرابی ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکتے ہیں نہ کسی مسئلہ کا حل ہیں۔ اس کے برعکس بہت سارے مسائل کو جنم دیتے ہیں اور پریشانیوں کا باعث ہیں۔ ڈاکٹر اینی بسنت ANNIE BEASANT نے مغربی عورتوں کا مسلم عورت سے موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

* جب ہم رات میں مغربی شہروں کی گلیوں میں ہزاروں قابل رحم عورتوں کو بھیڑ لگائے دیکھتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ مغرب کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اسلام کے تعدد ازدواج پر زبان کھولیں۔ عورتوں کیلئے یہ زیادہ بہتر، باعث مسرت اور سبب احترام ہے کہ وہ اسلامی تعدد ازدواج کے تحت زندگی بسر کریں اور اپنے جائز بچوں کی پرورش کریں بہ نسبت اس کے کہ وہ ورغلائی جائیں، ان کا اغوا کیا جائے، ناجائز بچوں کو لے کر سڑکوں پر بے سہارا گھومیں اور ہر رات کسی راہ چلتے کا شکار بنیں اور جب ماں بننے کی اہلیت نہ ہو تو نفرت کی جائیں اور دھتکار دی جائیں؟

ڈاکٹر موصوف نے تعدد ازدواج پر پابندی اور یک زوجگی پر انحصار کے نتائج اس عمدگی سے پیش کئے ہیں کہ اس کے بعد اس مسئلہ پر گفتگو کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی اور مساوات کا نعرہ دیکر انہیں بے وقوف بنا کر ہوس کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور وہ مسحور کن خوشنما نعروں میں کھو کر اندھی ہو جاتی ہیں اور اپنا بھلا برا نہیں سوچتیں۔

رسالہ Revolt of Modern Youth کے مطابق صرف نیویارک شہر میں پچاس ہزار طوائفیں ہیں۔ ہر سال ڈیڑھ کروڑ اسقاط حمل ہوتا ہے، اس کے باوجود زنا بالجبر کی شرح ایک فی منٹ ہے۔ یہ ہیں تعدد ازدواج پر پابندی اور یک زوجگی پر انحصار کرنے والوں کے حالات۔ وہ ممالک جہاں تعدد ازدواج پر پابندی ہے کیا وہ ایمانداری سے یک زوجگی پر عمل کرتے ہیں؟ کیا وہاں داشتہ داری

مجبوریاں اور ناجائز بچوں کی اتنی خاصی تعداد نہیں ہے؟ کیا خفیہ شادی کی قید سے آزاد جنسی تعلقات زیادہ مبنی بر اخلاق ہیں یا جائز قانونی رشتوں میں بندھے ہوئے شوہر و بیوی کے تعلقات؟

ہمارا ہندوستان بھی بدقسمتی سے بغیر شعوری طور پر اسی خوفناک راستے پر چل رہا ہے۔ ہندو کوڈ بل Hindu Code Bill نے تعدد ازدواج پر پابندی لگادی ہے۔ یہ بہت تکلیف دہ امر ہے کہ مساوات و انصاف کی دہائی دے کر تعدد ازدواج کو تو ممنوع قرار دیدیا گیا لیکن وہ غیر صحت مند ادارے جو در حقیقت عورتوں اور مردوں دونوں پر ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا سبب ہیں انہیں پھلنے پھولنے کے مواقع دیے جاتے ہیں۔ انہیں ختم کرنے کی کبھی دل سے کوشش نہیں کی جاتی۔

مساوات و انصاف کے علمبرداروں کو ان حالات کے خاتمہ کیلئے کوشش کرنی چاہیے جن سے عورتوں کا وقار مجروح ہوتا ہو اور وہ لاچار و بے بس ہو کر رہ گئی ہوں۔ جن سے سماج انتشار کا شکار ہے اور خاندانی نظام درہم برہم ہو رہا ہے۔ ناجائز بچے مجرمانہ ذہنیت کے ساتھ پرورش پا رہے ہیں جو سماج کیلئے ناسور ہونگے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرد کو تعدد ازدواج کی اجازت ہوتی چاہیے تو عورت کو کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چند وجوہ ہیں جس کی بنا پر یہ ممکن نہیں کہ عورت کو اسکی اجازت دیجائے کیونکہ جب یک زوجگی میں مرد سماج کے اندر اتنی خرابیاں پھیلاتے ہیں تو اس میں تو نقصانات کی فہرست مزید طویل ہو جائے گی۔ فائدے برائے نام ہیں نقصانات کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عورتیں نفسیاتی طور سے یک زوجگی کو پسند کرتی ہیں۔ ۲۔ عموماً خاندان کا سربراہ ہوتا ہے جس خاندان کے دو یا چند سربراہ ہونگے اس کا کیا حال ہوگا۔ ۳۔ بچے کا باپ کون ہوگا۔ ۴۔ عورت اپنے سب شوہروں کی جنسی تسکین کیسے کر سکتی ہے جبکہ ہر ایک عورت سے تسکین نہیں پا سکے گا۔ ۵۔ ہر شوہر بیوی کے معاش کی ذمہ داری دوسرے پر ڈالنا چاہے گا۔ اسطرح بیوی کی معاشی کفالت صحیح طریقے سے نہ ہو سکے گی۔ خاص کر جبکہ بچے ہوں تو اسے بالکل نظرانداز کر دیا جائے گا۔ یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنیاد پر اس کی اجازت تو کجا اس کی خواہش بھی نہیں کی جا سکتی نہ تو مرد کی طرف سے نہ ہی عورت کی طرف سے۔

خلاصہ:- ان تمام تفصیلات سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کا وہ واحد طریقہ ہے جسے اختیار کیا جانا چاہیے یک زوجگی کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ لیکن یہ تاثر بھی پوری طرح صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تعدد ازدواج میں بھی چند خرابیاں ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر:-

(الف) سارے مرد اس لائق نہیں ہوتے کہ وہ چند بیویوں اور بچوں کی معاشی کفالت کر سکیں۔

(ب) سب لوگ اس لائق نہیں ہوتے کہ وہ دو یا چند بیویوں کی جنسی خواہش صحیح طریقے سے پوری کر سکیں۔

(ج) چونکہ معاش کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے اسلئے اسکے مریض ہونے، ضعیف ہونے یا انتقال کر جانے سے بیک وقت کئی عورتیں اور بچے بے سہارا ہو جائیں گے۔

اسلام افراط و تفریط پر مبنی احکام نہیں دیتا وہ ایک معتدل دین ہے اسی لئے اس نے ان ساری خرابیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند شرائط کے ساتھ اسکی اجازت دی ہے۔ وہ ہر شخص کیلئے علی الاعلان اسکی اجازت نہیں دیتا اور بے شمار سماجی ضرورتوں کی وجہ سے چند بیویوں کے ہوتے ہوئے بھی اس پر پابندی نہیں لگاتا۔ وہ چند حالات یہ ہیں جس میں اسکی اجازت ہے:-

(الف) شدید جنسی داعیہ ہو کہ اگر دوسری شادی نہ کریگا تو گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

(ب) وہ اس لائق ہو کہ دو یا چند بیویوں اور ان کے بچوں کی معاشی کفالت کر سکے۔

(ج) وہ اس بات پر قادر ہو کہ اپنی بیویوں کے درمیان حتی الامکان مساوات کرے گا۔

(د) وہ اتنی طاقت رکھتا ہو کہ دو یا چند کی جنسی خواہش کی تکمیل کر سکے۔

(۵) معاشرہ ایسے مسائل سے دوچار ہو کہ اگر زیادہ شادی نہ کی گئی تو معاشرہ میں خرابیاں پھیلیں گی مثال کے طور پر عورتوں کی تعداد مرد سے زیادہ ہو، بیواؤں اور یتیم بچوں کی پرورش کا مسئلہ درپیش ہو وغیرہ ان کی تفصیلات سماجی ضرورت کے تحت آ چکی ہیں۔

ان صورتوں ہی میں اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ تمام اسلامی قوانین کی حکمت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ کسی طرح زیادتی پر مبنی نہیں بلکہ سراسر فطرت کے مطابق اور اعتدال پر مبنی ہیں۔ اور ان سے زیادہ بہتر اور مناسب ہدایات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ اسلامی احکام کو غیر انسانی، غیر سماجی، غیر فطری اور ظلم و زیادتی پر مبنی بتلاتے ہیں، ان کی یا تو سمجھ ناقص ہے یا ذہن میں کچھ کجی ہے یا انہیں تعصب کا روگ لگ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ غیر جانبدارانہ طریقہ پر کھلے ذہن و دماغ سے اس کا مطالعہ نہیں کر پاتے۔

اسلامی تعلیمات کی یہ عظمت و حکمت اس میں ہے کہ یہ باریک بینی اور دور اندیشی پر کسی شخص یا گروہ کی نہیں کہ حضرت محمدؐ کی دین نہیں بلکہ یہ خدائی احکامات ہیں جو کہ ہر چیز کا بہتر علم رکھتا ہے انسان کا خالق ہے اس لئے اس کے مسائل و ضروریات سے خود اس سے زیادہ واقف ہے اس لئے اس سے بہتر کسی کا حکم نہیں ہو سکتا چاہے کچھ وقت تک کسی حکم کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ، ہمارے ذہن ناقص ہیں اس لئے کچھ دیر میں اس پر خدائی حکمت کے راز کھلتے ہیں عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

انسانی قوانین ذہن ناقص کی پیداوار ہیں جو خدائی احکام کے مقابلے میں حالات، مسائل اور ضروریات کا احاطہ نہیں کر سکتے اور بسا اوقات مسائل کو حل کرنے کے بجائے اسے الجھا دیتے ہیں۔ اس لئے عقلمندی و دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ جو خدائی احکام ہمارے سامنے آئیں انہیں بلا کسی شک و شبہ کے ہم اختیار کریں۔ اسی میں ہماری دنیا و آخرت کی بھلائی پوشیدہ اور سارے مسائل کا حل ہے۔

درحقیقت اسلام نے عورت کو جتنا بہتر و مناسب مقام دیا ہے وہ مقام اسے ماضی نے دیا ہے اور نہ مستقبل دے سکتا ہے اور نہ ہی اس سے بہتر مقام کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے مقرر کردہ راستوں سے ہٹ کر اگر کسی نے عورت کے مقام کی تعیین کرنا چاہی ہے تو وہ راہِ اعتدال سے ہٹ کر یا تو افراط کا شکار ہوا یا تفریط میں مبتلا۔

اینی بسنت ANNIE BESANT کے مطابق "میرے خیال میں عورت کو عیسائیت سے زیادہ اسلام نے آزادی دی ہے عورت اپنے حقوق کے سلسلے میں اسلامی قوانین کے تحت زیادہ محفوظ ہے بہ نسبت ان ادیان کے جو یک زوجگی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ قرآنی قوانین جو عورت سے متعلق ہیں وہ انصاف پر مبنی اور روشن خیالی کی دلیل ہیں۔ اسلام نے عورت کے اس حق کو ابتداء ہی تسلیم کیا ہے کہ وہ جائداد کا حق رکھتی ہے جبکہ عیسائیت نے صرف بیس سال قبل اسے انگلینڈ میں یہ حق دیا ہے۔ یہ دعوی کرنا محض ایک بکواس ہے کہ اسلام عورت کے جذبات کا خیال نہیں رکھتا اس کے متعلق اس کے احکام ظلم پر مبنی ہیں۔"

یہ حقیقت ہے کہ اسلام اپنے تمام قوانین کی طرح یہاں بھی ساری دنیا کے لوگوں کو یہ چیلنج کر سکتا ہے کہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین، ھاتوا بمثلہ ان کنتم صادقین۔ اے ساری دنیا کے برعم خود دانشورو اور انصاف و مساوات کے علمبردارو! اگر تم سچے ہو اور تمہارے بس میں ہو تو لاؤ اس کی نظیر جو اس سے زیادہ عدل و قسط پر مبنی افراط و تفریط سے محفوظ ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سب کی انتہائی کوشش اس سے بہتر تو کیا اس کے مثل بھی کوئی قانون پیش نہیں کر سکتی۔ اور اگر اس کی کوشش کی بھی گئی تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ وہ عاجز و درماندہ ہو کر یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم

بقیہ صفحہ ۲۷

کے سر ہے۔ ہاں اگر کوئی بدانتظامی ہوئی یا کوئی غلطی ہوئی جس سے کنونشن کی کامیابی پر برا اثر پڑا ہو تو اس کا میں تنہا ذمہ دار ہوں!

دینی مدارس — ایک مطالعہ

عبید اللہ فہد فلاحی علی گڑھ

دور مغلیہ کا زوال

اس میں شبہ نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکومت مسلمانوں میں ملّی اور قومی احساس کو بیدار کرنے میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اور اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن اور شعائر اسلامی کو فروغ پانے کا کافی موقع ملا۔ جو معاشرہ اس وقت پروان چڑھا تھا اس کے عناصر ترکیبی میں بہترین اسلامی روایات شامل تھیں۔ لیکن جوں ہی اورنگ زیب کی وفات ہوئی سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور ملت اسلامیہ سیاسی و مذہبی اور معاشی و ذہنی پستی میں مبتلا ہو گئی۔

آخر مغل شہزادے دن رات طوائفوں اور ذلیل مصاحبوں کے ساتھ داد عیش دیتے رہے۔ محمد شاہ جس کو ایک طویل زمانہ تک حکومت کرنے کا موقع ملا اس نے حکومت و سیاست کے معاملات سلجھانے کے بجائے آرٹ اور کلچر کے فروغ پر اپنی ساری توانائیاں صرف کیں۔ حکومت کا انتظام درہم برہم تھا۔ امن و امان پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ دور دراز کے صوبوں کے والی باغیانہ حرکت کے مرتکب ہو رہے تھے۔ مرہٹے، راجپوت اور سکھ جگہ جگہ سر اٹھا رہے تھے۔ بنگال، اودھ اور دکن کے گورنر مرکزی حکومت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ لیکن ادھر بادشاہ سلامت عیش و عشرت میں مست۔ تین تین سو لڑکیاں ننگی نچوا رہے ہیں تاکہ کلچر کو فروغ حاصل ہو۔ فضول خرچی کا یہ عالم کہ شاہی باورچی خانے کا خرچ تین کروڑ روپئے سے کم نہ تھا۔

ان بداعمالیوں، عیاشیوں اور نااہلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کا وقار ختم ہو گیا۔ ملک کی مالی و فوجی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی اور پھر ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے لوٹ مار نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ مرہٹوں کا اقتدار بڑھا۔ ملہار راؤ اور رگھوناتھ راؤ نے مل کر دہلی پر حملہ کر دیا۔ اور ۱۷۵۸ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان پر ہندو تہذیب و تمدن کو مسلط کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔

شاہ ولی اللہ — ایک مجدد اور مصلح

ان حالات میں شاہ ولی اللہ ایک مجدد اور مصلح کی حیثیت سے اٹھے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو بچانے، باطل کی زنجیروں کو توڑنے اور ملت اسلامیہ کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

مرہٹوں کا اقتدار توڑنے کے لئے انھوں نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ ہندوستان آ کر مرہٹوں کے تسلط سے خلاصی دلائے۔ دوسری طرف شاہ صاحب نے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کر کے اور ان کے دو صاحب زادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے اردو میں ترجمہ کر کے پہلی بار امت کو قرآن سے جوڑنے کی کوشش کی۔ تیسری طرف حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء وغیرہ کتابوں کے ذریعہ اسلام کے مکمل نظام حیات کو جامع انداز میں پیش کیا اور ایک جدید علم الکلام کی بنیاد رکھی جس میں قرآن کے طرز استدلال کو بنیاد بنایا گیا اور اس طریقہ کو اختیار کیا گیا جو طریقہ نبوت سے ہم آہنگ ہے۔ پھر اس تحریک کو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے

تحریک مجاہدین کی شکل میں آگے بڑھایا۔ بقول مولانا غلام رسول مہر۔
"جب ہندوستان میں اسلامی اقبال مندی کا آفتاب غروب ہو چکا تھا
اور ہر طرف مایوسی و ناامیدی کی ظلمت مسلط تھی۔ تو رائے بریلی کے
مجاہد سید نے بے سر و سامانی کے باوجود طاقت کے اظہار کا کتنا
عظیم الشان انتظام کر دیا تھا۔ اور ان کی برکت سے غیرت و حمیت
دین کی ایسی آگ روشن ہو گئی تھی جس نے ہندوستان کے اندر اور
باہر جگہ جگہ حریت کے وسیع ذخیرے مہیا کر دیئے تھے۔ ان کے ارادت
مندوں نے اس روشنی کو مستقل اور پائیدار بنانے کیلئے ایثار و
قربانی کے ایسے حیرت انگیز نمونے پے در پے پیش کئے۔ جو اسلام کے ابتدائی
دور بہترین پر تو تھے۔ جس فرض کی بجا آوری سے وقت کے حکمران اور
تاجدار اور اصحاب، خزائن و عساکر محروم رہے۔ اس کا علم ایسے شخص
کے ہاتھ سے بلند ہوا۔ جس کے پاس دنیاوی ساز و سامان کی کوئی چیز
موجود نہ تھی۔"

اس کے بعد حاجی شریعت اللہ کی فرائضی تحریک نے بنگال
کے کسانوں میں نہ صرف سنت کے اتباع و احیاء، طہارت و پاکیزگی
اور تقویٰ و دینداری پیدا کرنے پر زور دیا۔ بلکہ انگریزوں کے خلاف
مسلح جد و جہد بھی کی۔ اور ان کے بیٹے دودو میاں نے باقاعدہ اعلان جہاد
کیا۔ اور انگریزی عدالتوں کا بائیکاٹ کیا نیز ہندوستان کو دار الحرب
قرار دے کر انگریزوں کی عملداری کو ختم کرنے کی منظم کوشش بھی کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

پھر ہمارے سامنے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی آتی ہے جس
میں مسلمان عوام اور علماء نے مل کر انگریزوں سے جنگ کی۔ اور جان
و مال کی بے شمار قربانیاں دیں۔ یہ نشانہ کوئی وقتی اور عارضی نہ
تھا۔ بلکہ اس کے قائدین میں ایسے لوگ تھے جن کی ذاتی زندگی اسلام
کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ان میں مولانا احمد شاہ مدراسی، مولانا
فضل حق خیر آبادی، مولانا رحمت اللہ، جنرل بخت، فیروز شاہ، عظیم اللہ
خان، علی کریم وزیر خان وغیرہ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔
یوں تو اس جنگ میں ہندو اور مسلمان برابر کے
شریک تھے۔ لیکن اس کی ناکامی کے بعد نزلہ بیچارے مسلمانوں پر
سب سے زیادہ گرا کیونکہ مسلمان ہی پیش پیش تھے اور وہی اس کا شعلہ
تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں انھیں شہید کیا گیا۔ اور ان کی عورتوں
اور بچوں کو کرب انگیز اذیتیں دی گئیں۔

عیسائی مشنریوں کی تباہ کاری

سن ستاون کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان
تیزی سے احساس کمتری، مرعوبیت، پست ہمتی اور پژمردگی کا شکار
ہو گئے۔ اور دوسری طرف عیسائی مشنریوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے
وہ علی الاعلان ہندوستان کو عیسیٰ مسیح کا عطیہ اور امانت کہنے
لگے۔ اور مذہب عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت میں لگ گئے۔
یہی دور تھا جب گورنر یوپی سر ولیم میور نے The life of Mahomet لکھی۔ اور سیرت پاک، ازواج مطہرات، مسئلہ جہاد اور تعدد ازدواج
جیسے مسائل پر کیچڑ اچھالے گئے۔ حکومت انگریز نے ان مشنریوں کی
کھلم کھلا تائید کی۔ اور مسٹر منگلیس ممبر پارلیمنٹ نے تو اپنے دلی خیالات
کا اظہار برملا کر دیا کہ۔
"خدائے تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔ کہ ہندوستان کی سلطنت
پر انگلستان کا قبضہ ہوا تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے
ایک سرے سے دوسرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام قوت تمام
ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف
کرنی چاہیے۔ اور اس میں کسی قسم کا تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔"

اس مقصد کی تکمیل کیلئے پادریوں کی مالی امداد و اعانت
بھی کی گئی چنانچہ صوبہ بنگال میں ۱۸۵۳ء میں دو پادریوں کا اضافہ
اس غرض سے کیا گیا تھا کہ پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم دیں۔
حالات بتا رہے تھے کہ کچھ جرأت مندانہ اقدامات نہ
کئے گئے۔ تو آئندہ نسلیں اپنے اخلاقی نظام، اپنی اقدار و تصورات
اپنی تہذیب و شریعت سے بالکلیہ بیگانہ ہو جائیں گی چنانچہ علماء
اسلام نے اسلام کے بچے کھچے سرمایہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے
دینی تعلق کو باقی رکھنے کے لئے دینی مدارس کا قیام ضروری سمجھا۔

دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں ۱۸۶۶ء میں ایک چھوٹے سے مدرسے کی بنیاد رکھی جس کے پیش نظر شریعت مصطفےٰ محمدی کی اشاعت اور قوانین اور انگریزی کا بائیکاٹ تھا۔ خوش قسمتی سے دارالعلوم کو مخلص کارکن اور مشفق اساتذہ میسر آئے جن کے تقویٰ و طہارت، اخلاص و للہیت، تواضع و انکسار اور قربانی و جدوجہد کی بدولت اس مدرسہ کو وہ مقبولیت نصیب ہوئی کہ اس کی حیثیت ایشیا کی ایک بڑی دینی درسگاہ کی ہو گئی۔

اس مدرسہ کے بانیوں کا یہ احساس تھا کہ ہم اگر ان ناگفتہ بہ حالات میں دین کو غالب نہیں کر سکتے تو اس کی حفاظت تو کر سکتے ہیں اگر دوسروں پر اس کی چھاپ قائم نہیں کر سکتے تو اپنے بچے کھچے تمدن اور روایات کی نگہداشت تو کر سکتے ہیں۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے علماء کی کوششیں رنگ لائیں۔ مسلمانوں کے اندر اپنے دین سے محبت باقی رہی۔ بدعات و خرافات اور غیر اسلامی رسوم و رواج کو بڑی حد تک ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ قرآن و حدیث سے ہمارا تعلق برقرار رہا اور درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ پورے مسلم معاشرہ میں دین کی روح باقی رہی۔

دیوبند کے متعدد علماء نے جنگ آزادی میں بھی حصہ لیا جس کی قیادت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے کی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں گزار دی۔ اس راہ میں جیل بھی گئے۔ کوڑے بھی کھائے۔ جس وقت آپ کی لاش کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت دیکھا گیا کہ آپ کی پیٹھ بالکل سیاہ تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی ان قابل قدر کوششوں کے باوجود اس تحریک کا انداز دفاعی تھا۔ یہاں اقدام عمل اور نئی تہذیب پر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ دوسری طرف تحدد و قوت کا فتنہ بھی یہیں سے ابھرا اور شدت از دل ابت کی پکار یہیں کے منبر سے سنائی دی۔ اور شریعت، تصوف اور سیاست کا معجون مرکب بھی یہیں بنا۔ پہلو جنہیں بہرحال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

سرسید اور علی گڑھ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج

سرسید مرحوم نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلم معاشرہ کی اصلاح و ترقی کیلئے جو خاکہ بنایا اس کے بنیادی اجزاء یہ تھے۔

(۱) مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کی دیوار کو منہدم کیا جائے۔ اور ان کے سیاسی اور مذہبی اختلافات کو ختم کیا جائے۔ اس طرح دونوں اقوام میں تعلقات کو استوار کیا جائے۔

(۲) مسلمانوں کو انگریزی زبان اور مغربی سیکھنے کی ترغیب دی جائے تاکہ وہ حکومتی انتظامات میں شریک ہو سکے۔ اور ان کی معاشی پسماندگی دور ہو سکے۔

(۳) مغربی تہذیب سے سمجھوتہ کر لیا جائے اس کی تہذیب کو اختیار کیا جائے۔ اور کچھ اپنی چیزیں باقی رکھی جائیں۔ اس طرح دونوں کی ترکیب سے ایک نئی چیز وجود میں لائی جائے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ۹ جنوری ۱۸۶۴ء کو غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ جو ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ منتقل ہو گئی۔ اور ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ایک اسکول قائم کیا جو بعد میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج اور پھر مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر ۱۸۸۶ء میں علی گڑھ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔ اس مقصد کے لئے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں۔ جن میں رسالہ طعام اہل الکتاب، اسباب بغاوت ہند بائیبل کی تفسیر تبیین الکلام، خطبات احمدیہ اور تفسیر القرآن سب سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ اردو میں ہفتہ وار اخبار سائنٹفک سوسائٹی، رسالہ تہذیب الاخلاق اور انگریزی میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نکالا۔

سرسید کی اس تحریک نے بلاشبہ قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مسلم قوم میں جدید تعلیم کا رواج ہوا۔ معاشرے میں ذہنی بیداری

آئی۔ اور اپنے گرد و پیش سے باخبر رہنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ حکومت وقت کا کسی حد تک اعتماد پیدا ہوا۔ اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر مسلمان فائز ہوئے۔ بعد میں ہندوستان کی مسلم قومیت کی تحریک میں بھی علی گڑھ نے نمایاں کردار ادا کیا۔

لیکن اس پوری تحریک کی نمایاں خرابی یہ تھی کہ یہاں قدم قدم پر اسلام کے قطع و برید کی کوشش کی گئی۔ جہاد کے سلسلہ میں معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا۔ قرآن اور حدیث کی تعبیر و تشریح مرعوبانہ ذہنیت کے ساتھ کی گئی۔ اسلامی تہذیب کے بجائے مغربی تہذیب کی نقالی کی گئی۔ معجزات، جنت و جہنم اور معراج کا انکار کر دیا گیا۔ اور قرآن کو جدید سائنس کے طرز پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ تہذیب الاخلاق کے ذریعے خود اسلام کی "اصلاح" کی جرأت بھی کی گئی۔ خود اس تعلیم کا فائدہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوا کہ مسلمان کلرک اور ملازم بننے لگے۔ اور انگریزوں کی چاکری میں لگ گئے۔ یہاں کے تعلیمی نظام میں صنعت و حرفت، تجارت، تجرباتی سائنس، اور علوم کو کوئی خاص اہمیت نہ دی گئی۔ اگر اہمیت دی گئی تو مغربی فلسفہ اور مغربی ادب کو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ع

گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دین و عقائد پر

یہاں اسلامیات اور دینیات بھی پڑھائے گئے۔ لیکن اس کی حیثیت کیا تھی، اکبر الٰہ آبادی کی زبان سے سنئے۔

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یوں ہی کہ گویا آب زمزم مے میں داخل ہے

جامعہ ملیہ اور متحدہ قومیت کا فتنہ

تحریک خلافت کے زمانہ میں چند ہونہار فضلاء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے الگ ہو گئے۔ اور ۱۹۲۰ء میں انھوں نے نیشنل مسلم یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی بنیاد رکھی۔ جس کی تاسیس شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ بعد میں یہ ادارہ دہلی میں منتقل ہو گیا۔ اس پوری جماعت کی قیادت مولانا محمد علی جوہر کے ہاتھوں میں تھی جو ایک اسلام پسند اور قوم و ملت کے ہمدرد اور بہی خواہ مسلمان تھے۔ اس کے خاص معاونین میں حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی رہنمائی میں یہ ادارہ فروغ پاتا رہا۔ اس نے علم و ثقافت اور وطن پروری کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

لیکن اس تحریک کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ اس کی بنیاد ایک قومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ جب کہ قرآن و حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ دونوں کی مخصوص تہذیب اور انفرادیت ہے۔ ان کے عقائد و تصورات الگ، ان کا کلچر اور تمدن الگ ہے۔ اور اسلام اور غیر اسلام میں آمیزش اور ملاوٹ نہ صرف یہ کہ جرم ہے بلکہ اسلام کو منہدم کر دینا ہے۔ پھر اس ادارے سے اسلام میں پیوندکاری کی مسلسل کوششیں ہوتی رہیں۔ اور نئے زمانہ اور نئے حالات کے تقاضوں کی دہائی دے کر اسلامی بنیادوں پر تیشہ چلانے کی جرأت ناپاک کی گئی۔

ندوۃ العلماء

ندوہ ۱۸۹۴ء میں مولانا محمد علی مونگیری کے ہاتھوں قائم ہوا۔ جس کا مقصد علی گڑھ اور دیوبند کو ملانا اور قدیم و جدید کی تفریق ختم کرنا تھا۔ بانی مرحوم کو اس بات کا احساس تھا کہ:

"بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت علماء کی دنیا کے حالات و واقعات سے بھی باخبر ہو۔ اس کو معلوم ہو کہ جس سلطنت میں وہ بسر کرتی ہے۔ اس کے اصول سلطنت کیا ہیں اس کو سلطنت سے کس قسم کا تعلق ہے۔ جو ملک میں علماء کا جو اثر کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ خیال عام طور پر پھیلتا جا رہا ہے کہ علماء حجروں میں معتکف ہیں۔ ان کو دنیا کے حال کی بالکل خبر نہیں۔ اس لئے دنیوی معاملات میں ان کی ہدایت اور ان کا ارشاد بالکل ناقابل التفات ہے۔"

چنانچہ اس ضرورت کے پیش نظر ایسا نصاب تعلیم مرتب کرنے کی کوشش کی گئی جو قدیم و جدید تقاضوں کے مطابق اور اس سے ہم آہنگ ہو۔ اور بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کے تقاضات

کو عام کر سکیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس ادارے نے اطہر کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس نے ایسے افراد پیدا کئے جو تحریر و تقریر کی بہترین صلاحیتوں سے مزین تھے۔ اس نے اسلامی تہذیب و تمدن پر جش بہا کتابیں اردو اور عربی زبانوں میں مہیا کیں۔ جن سے قوم کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ دینی بیداری کی لہر اٹھی۔ اور عربی زبان و ادب کی خدمت کا داعیہ ابھرا۔

لیکن مولانا محمد حسنی سابق مدیر البعث الاسلامی کے الفاظ میں۔

"نصاب تعلیم میں اس قدر تبدیلیاں ہونے کے باوجود اب بھی اس میں انقلابی تغیرات بلکہ اس کو نئے سرے سے ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ حقائق سے گریز اور واقعات سے چشم پوشی کسی خامی اور کمی کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ اور ندوہ میں یہ پردہ چاک ہو کر رہتا ہے۔

اس انقلاب تعلیم کا جو نتیجہ اور عمل نمودار ہوا۔ اس کی طرف مولانا مودودی نے بہت پہلے اشارہ کر دیا تھا کہ۔

"پہلے سے کچھ زیادہ کامیاب قسم کے مولوی پیدا کرنے جائیں جو کچھ جرمنی و امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس ذرا سی اصلاح کا یہ نتیجہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علمائے اسلام کے ہاتھ میں آ جائیں۔ اور وہ دنیا جو آگ کے پیچھے چلانے والے ائمہ کے پیچھے چلی جا رہی ہے جنت کی طرف بلانے والے ائمہ کی رہبری قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔"

مدرستہ الاصلاح اور علامہ فراہی

۱۹۰۹ء میں مولانا محمد شفیع نے مدرستہ الاصلاح المسلمین کی بنیاد ڈالی تاکہ بدعات و خرافات اور غیر اسلامی رسوم و رواج کو نئی نسل کے ذہنوں سے کھرچ کر پھینکا جا سکے۔ اور خالص اسلام کی تعلیم ممکن ہو سکے۔ بعد میں علامہ حمید الدین فراہی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے منسلک ہو کر مدرستہ الاصلاح آ گئے۔ اور تا وفات مدرسہ کی خدمت میں لگے رہے۔ مولانا نے ادب عربی اور قرآن مجید کی محققانہ تعلیم کو اس مدرسہ کا نصب العین قرار دیا۔ آپ کے ہونہار شاگردوں میں مولانا اختر حسین اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آخر الذکر نے "تدبر قرآن" کا وہ بے مثال کارنامہ انجام دیا جو قرآن تفسیر کی دنیا میں اہم مقام رکھتا ہے۔

علامہ فراہی نے قرآن پاک پر غور و تدبر کا کام باضابطہ طور پر اس زمانہ سے شروع کیا جب۔ وہ علی گڑھ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سر سید مغربی تعلیم و تہذیب سے متاثر ہو کر قرآن پاک کی من مانی تاویلات کر رہے تھے۔ اور جدید طبقہ اس تشریح و توضیح سے بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ مولانا کو یہ احساس ہوا کہ قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا جو طریقہ مدارس میں رائج ہے وہ بالکل ہی غلط اور فرسودہ ہے۔ اور اس غلط اور فرسودہ طریقے نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو اس قدر مضمحل اور کمزور بنا دیا ہے کہ وہ ہر فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے۔

"قرآن پاک پر غور کرنے کا وہ صحیح طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حکمت قرآن کے دروازے کھلیں۔ تاکہ مسلمان مغرب کی فاسد عقلیت سے مرعوب ہونے کے بجائے قرآن کی صالح عقلیت سے اس کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ علامہ نے تفسیر کی اندھی تقلید کے بجائے خود قرآن پاک پر براہ راست غور و تدبر شروع کیا۔ رفتہ رفتہ قرآن فہمی کے وہ اصول علامہ پر منکشف ہوتے چلے گئے جن کی وضاحت علامہ نے اپنے مقدمہ تفسیر میں کی ہے۔"

اور اسی کو مدرستہ الاصلاح کے نصاب تعلیم میں خصوصی جگہ دی۔ اور قرآن فہمی اور تدبر و تفکر وہاں کا امتیازی وصف قرار پایا۔ چنانچہ تفسیر قرآن اور فہم قرآن میں سادہ رہائش اور تعلیمی فضا کی سازگاری میں یہ مدرسہ کافی ممتاز ہے۔

حوالہ جات

(۱) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ——— از خورشید مصطفیٰ رضوی

(۲) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ——— از خلیق نظامی

(۳) الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر ——— مضمون مولانا عبدالماجد دریا بادی

(۴) تجدید و احیائے دین ——— از مولانا مودودیؒ

(۵) سیرت سید احمد شہید ——— از مولانا غلام رسول مہر

(۶) Islam in Bengal ——— از جگدیش نرائن سرکار

(۷) ہندوستانی مسلمان ——— از سید ابوالحسن علی ندوی اور چراغ راہ کراچی کا نظریہ پاکستان نمبر میں تفصیل سے دیکھئے۔

(۸) فرنگیوں کا جال ——— از علامہ امداد صابری ص ۷۱ بحوالہ حکومت خود اختیاری

(۹) علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ——— از سید محمد میاں جلد اول

(۱۰) تجویز دارالعلوم ندوۃ العلماء ص ۲۱

(۱۱) پیام ندوۃ العلماء ——— از سید محمد حسنی ص ۱۳

(۱۲) علامہ حمید الدین فراہی ——— ایک عظیم مفسر ——— از مولانا عنایت اللہ سبحانی ص ۱۵/۱۶

(۱۳) ہندوستانی مسلمان ——— از سید ابوالحسن علی ندوی

محمد صلاح الدین عمری
متعلم ایم اے (عربی)
علیگڑھ

فن توشیح

اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا کہ موشح کی ابتداء کس وقت اور کن خصوصی اسباب کی بنا پر ہوئی بہت وقت طلب امر ہے۔ عرب مورخین اور مستشرقین میں ہر ایک اپنی علاحدہ رائے رکھتا ہے۔ لیکن اس بات پر سبھی کا اتفاق ہے کہ اس کا وجود اسپین میں ہی ہوا۔ البتہ تحریری حیثیت کی مانند ہی موشح خالص عربی پیداوار ہے اور یہ مسمط کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ جہاں تک اس کے زیر و بم اور عام شکل و صورت کا تعلق ہے تو موشح اور مسمط ایک دوسرے سے بہت قریب لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے موشح کے موجدوں نے اس میں موسیقی کا زیر و بم لانے کیلئے مسمط سے کچھ مدد لی ہو۔ دوسری جانب ایک خیال یہ بھی ہے کہ موشح کی ایجاد غیر عرب اندلسیوں کے ذریعہ ہوئی۔ جیسا کہ مصطفی محمد الاکرم نے اپنی کتاب فن توشیح میں لکھا ہے اور اس کی تائید بہت سے دوسرے مستشرقین نے کی ہے۔ کچھ علماء جیسے فواد رضائی وغیرہ کا خیال ہے کہ موشح کی ایجاد میں مشہور مغنی زریاب کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسپین میں مشرقی گانے والوں کی وجہ سے وہاں کی موسیقی کی ترقی نے وہاں پر مشرقی موسیقی کی زیر و بم سے ایک دلچسپی پیدا کر دی تھی۔

اندلس میں اس صنعت شاعری کی ابتداء وہاں کی خوشگوار فضا، اس کی معاشی خوشحالی اور فطرت کے حسین و دلکش نظاروں۔ اور اندلس کے باشندوں کا سیر و تفریح اور عیش و عشرت کا دلدادہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ اندلسی لوگ موسیقی کے بے انتہا شوقین تھے۔ اسی شوق نے انہیں فن موشح کی جانب مائل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نئے فن کے اصول و ضوابط اور اس کا شعری ڈھانچہ شاعری کی دوسری اصناف سے مختلف ہے اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ فن موسیقی ہی اس قسم کے وجود میں آنے کا سبب ہوا۔ لیکن ان اشعار پر غور کرنے کے بعد کچھ باتیں ایسی سامنے آتی ہیں جن

سے قدیم جنوبی فرانس کے شعراء (جنکو شعراء تروبادور (TROUBADOURS) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کے اشعار اور اس فن موشح کے درمیان ایک قسم کے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ غنائی اشعار جو بارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں شعراء تروبادور گایا کرتے تھے، اپنی فنی خصوصیات میں موشح کی اغراض سے ملتے جلتے ہیں۔ جیسے غزل، وصف، حماسہ، ہجو، مدح وغیرہ۔ قالب شعری میں بھی کہیں کہیں موافقت ملتی ہے جیسے وہ قصائد جنکو (بالاد) کہتے ہیں اور وہ غنائی گانے جو موشح کے سمط اور اس کے اجزاء سے مشابہ ہیں۔ شعراء تروبادور اپنے اشعار میں موسیقی کے زیر و بم پر بہت زور دیتے تھے جیسا کہ موشح میں بھی ہے۔ لیکن یہ مشابہت اس بات کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

جو حضرات فن موشح کا دوسری اصناف شاعری سے ربط و تعلق کے بارے میں بحث کرتے ہیں، ان کا اختلاف بھی قطعیت کے بجائے شکوک و شبہات زیادہ ہیں۔ بہر حال اس بات سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان اسباب نے جو فن موشح کے ظہور کا سبب بنے، خواہ وہ اندلسی ماحول سے متعلق ہوں یا کسی اور جگہ کے ماحول سے، بالکل اسی طرح فن موشح کی ایجاد میں اہم کردار ادا کیا جس طرح عربی شعر و شاعری نے اسپین کی زندگی میں اپنے نقوش چھوڑے۔ اسپین کے اشعار یورپین اشعار سے کہیں زیادہ مکمل شکل میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی فن موسیقی، اندلسی فن موسیقی کی خوشہ چیں ہے اور ہم اب تک اسپین کی موسیقی کے اثرات محسوس کرتے ہیں۔ اسکے بعد اس بحث میں پڑے ہوئے کہ اس فن کا وجود کہاں ہوا اور اس کی بنیاد کس طرح پڑی، یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ فن موشح کی ایجاد میں اندلس کا کیا رول رہا ہے اور یہ ۲۹۰ھ ...

کے ذخیرۂ عربی اشعار پر عربی اشعار کے کیا اثرات پڑے۔

ابن بسام اور ابن خلدون وغیرہ کے مطابق موشح مشرقیوں کی ایجاد نہیں بلکہ اس کی ایجاد کا سہرا اندلسیوں ہی کے سر ہے۔

البتہ اس بات پر سبھی مورخین کے اتفاق کے بعد کہ موشح اندلس کی پیداوار ہے۔ اس امر میں کافی اختلافات ہے کہ موشح کا موجد کون تھا۔ کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں جو مختلف ناموں کو فن موشح کا موجد بتاتی ہیں۔ پہلی روایت جس کو ابن بسام نے اپنے ذخیرہ میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ:

یعنی اس شعری پر موشحہ کے اوزان اور اس کے اسلوب کو وضع کرنے والا۔ جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ محمد بن محمود قبری نابینا ہے۔

مقری کا بھی کہنا ہے کہ "ابو الحسن علی بن سعید العنسی نے اپنی کتاب "المقتطف من ازاہیر الطرف" میں لکھا ہے کہ حجاری نے اپنی کتاب "المسہب فی غرائب المغرب" میں تذکرہ کیا ہے کہ جزیرہ اندلس میں اس (موشحات) کا موجد مقدم بن معافی القبری ہے جو امیر عبداللہ بن مروان کے شعراء میں سے تھا۔ اس سے ابو عمر احمد بن عبد ربہ صاحب العقد نے اخذ کیا۔ پھر متاخرین نے ان دونوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور پھر معتصم کے شاعر عبادہ قزاز نے اس میں مہارت حاصل کی:

سیوطی ابن سعید کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "سب سے پہلا شخص اندلسی موشحات کا ایجاد کرنے والا ابو عمر احمد بن عبد ربہ صاحب العقد ہے۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ احمد بن عبد ربہ نے موشحات کا طریقہ مقدم سے اخذ کیا۔ وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

یعنی اس (موشح) کا موجد جزیرۂ اندلس کا مقدم بن معافر الفریری (جو امیر عبداللہ بن محمد مروانی کے شعراء میں سے تھا) ہے۔ اور اس سے احمد بن عبد ربہ صاحب کتاب العقد نے استفادہ کیا۔ اور متاخرین میں ان دونوں کا نام نہیں لیا ہے۔ اور ان دونوں کے موشحات ختم ہو گئے۔ اب اس فن میں مہارت رکھنے والوں میں عبادہ قزاز (معتصم بن صمادح صاحب المریہ کا شاعر) ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے قبل ان کے معاصرین میں سے کوئی وشاح نہیں گذرا۔"

ابن خلدون کے یہاں مقدم بن معافی کے بجائے مقدم بن معافر ہے۔ اسی طرح ابن بسام کی روایت کے مطابق موشح کا موجد قبرہ کا رہنے والا تھا۔ مقری کی روایت سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے اگرچہ نام کا اختلاف ہے۔

ان سب روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا مقدم بن معافر، مقدم بن معافی قبری اور محمد بن قبری ایک ہی شخصیت کے کئی نام ہیں یا یہ سب الگ الگ شخصیتوں کے نام ہیں۔ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے لیکن غالب گمان یہی ہے کہ موشح کے موجد کا نام محمد بن محمود قبری ہے جیسا کہ ابن بسام نے ذخیرہ میں بیان کیا ہے۔ اور مقدم بن معافی قبری اور مقدم بن معافر محض ناموں کی تحریف ہیں۔

عبدالعزیز اہوانی نے اپنے مقالہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ دونوں شاعر قبرہ نامی ایک بستی سے منسوب ہیں اور ان دونوں کی تخلیقات بھی موجود ہیں اور یہ کہ محمد بن محمود نابینا تھے جبکہ مقدم بن معافی (یا مقدم بن معافر) میں اسی طرح کی کوئی بات نہیں تھی۔ سب سے اہم بات یہ کہ وہ ابن بسام اور ابن خلدون دونوں کی روایتوں کو بھی صحیح ثابت کرتے ہیں کہ ان دونوں کی روایتیں حجاری سے منقول ہیں۔ اور وہ ابن خاتمۃ الانصار کی "[illegible]" سے ماخوذ ہے۔ ان سے حاصل کر کے مقری نے ازہار الریاض میں نقل کیا ہے۔ اس سے ڈاکٹر عبدالعزیز اہوانی کی رائے میں اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ ہم ان ناموں کو ایک دوسرے کی تحریف سمجھیں۔

ٹھیک ہے اس تحقیقی ثبوت کے بعد ہم کو اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ مقدم بن معافی (یا معافر) اور محمد بن محمود دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ لیکن بقول غارسیا گومس مستشرق کے کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ موشح کے دو موجد دو اندلسی شاعر ہیں جو دونوں ایک ہی بستی قبرہ کے رہنے والے ہیں۔ دونوں کا زمانہ (عہد امیر عبداللہ بن محمد مروان) ایک ہی کا ہے۔ یہ سب حقائق ہم کو اسی طرح

حیرت و تعجب میں مبتلا کر دیتے ہیں جس طرح ہم اس فن کے موجد، اس کی حیثیت اور اس کے نام کے سلسلہ میں متردد ہیں۔ لیکن اس مسئلہ کو سلجھانے کی خواہش کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ موشح جیسے مختلف المناہج سلسلہ میں کسی ایک فرد واحد کو اس کا موجد قرار دے دیا جائے۔ اس فن کے پروان چڑھانے میں مختلف اجتماعی، ملکی ادبی، اور ثقافتی اسباب کے اثرات پڑے ہیں۔ یہ بات غیر فطری ہے کہ موشح کا ظہور اچانک اور بیک وقت ہو گیا بلکہ مختلف شعراء کی مختلف قسم کی کوششوں کا اس کے ایک مستقل ڈھانچہ کی تیاری میں دخل رہا ہے۔ اس زمانہ کے اوائل کے فنون جدیدہ میں اس کی بڑی اہمیت ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم اس کے واضح علامات اور نقوش بنیاد اس کو کسی ایک ماہر کے ہاتھوں کی کاریگری قرار دیں جس نے اس کے قالب کو تیار کیے اور اس کے اسالیب کو متعین کرنے اور اس کے موضوعات کو بیان کرنے میں اپنی قوت صرف کی ہو۔

لہٰذا یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس جدید فن کی کوششیں اندلس میں تیسری صدی ہجری کے اختتام سے ہی شروع ہو گئی ہوں اور ان دونوں شعراء وغیرہ (جن کے نام ہم تک صحیح طور سے نہیں پہونچ سکے ہیں) کی کوششیں ابتدائی تھیں، اسی وجہ سے انکے موشحات ختم ہو گئے اور لوگوں کی نظروں تک نہیں پہونچ سکے ابن عبد ربہ (جس کے بارے میں لوگوں کا گمان ہے کہ وہ موشح کا موجد تھا) کے بھی موشح ہم تک نہیں پہونچے۔ اور ہم عبادہ بن ماء السماء (م ۔ ۴۲۲ھ) (ابن خلدون کے مطابق عبادہ قزاز نہیں) کی جانب توجہ دینے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں، اس کا موشح ایک مستقل فن کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ عبادہ بن ماء السماء کی اپنی بنیادیں ہیں، قواعد ہیں، اس کے بعد اس کے اس فن کے پیروکار اور خوشہ چیں شعراء ہیں۔ اس سلسلہ میں ابن بسام کا قول ہے کہ:-

"ابوبکر عبادہ بن ماء السماء اس عہد کے شیخ الصناعت اور امام الجماعت ہیں۔ انھوں نے ایک سلیس اور آسان راہ اختیار کی یعنی توشیح جس کی بنیاد اندلس میں پڑی تھی اور شعراء اندلس جس طریقہ پر گامزن تھے، ان اسالیب و موضوعات کی کوئی دستاویزی اور محکم حیثیت نہیں تھی۔ عبادہ نے اس کے اصول و ضوابط کی وضاحت کی، اس کی خامیوں اور کمیوں کو درست کیا اس طرح اب ان کی حیثیت یہ ہو گئی کہ گویا کہ اہل اندلس نے ان کے علاوہ کسی سے نہیں سنا اور ان کے علاوہ کسی سے مستفید نہیں ہوئے، اور وہ اس فن میں اتنے مشہور ہوئے کہ انکی شہرت ان کی ذات پر غالب آگئی اور ان کی دوسری خصوصیات کو پیچھے چھوڑ گئی۔

اس طرح چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں موشح آسمان اندلس پر بلند ہو کر چمکنے لگا اور ماہرین فن یکے بعد دیگرے اس کی ترقی و ترویج اور اس کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ جن میں ابوبکر عبادہ بن ماء السماء، عبادۃ القزاز، ابن اللبانہ، الاعمی التطیلی، ابن بقی، ابن باجہ، ابوبکر بن زہر، ابن سہل اور لسان الدین ابن الخطیب نیز اس کا شاگرد ابو عبداللہ بن زمرک قابل ذکر ہیں متاخرین میں اکثر شعراء ان ماہرین موشح کی صحیح تقلید اور انکی مہارت کو پانے سے قاصر رہے۔ حتی کہ ان ماہر شعراء کے موشحات آج تک قابل تقلید موشحات میں شمار ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بھی اندلسی وشاحان موشح کے قواعد اور اصول و ضوابط کے سلسلہ میں کوئی شکل و صورت تشکیل دینے سے قاصر رہے۔ البتہ کہ جب ہم شاعری کی کتابوں اور اندلسین کے متعلق کتابوں (وغیرہ، نفح الطیب) کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس فن کے اصول و ضوابط کے بارے میں کچھ اشارات مل جاتے ہیں۔ شاید مصری شاعر ابن سناء الملک نے۔ جو قاہرہ میں ۵۵۰ھ میں پیدا ہوا اور وہیں اپنی اکثر زمانہ آرام و آسائش میں گذار کر ۶۰۸ھ میں فوت ہو گیا۔ اپنی کتاب دار الطراز میں پہلی کوشش کی ہے کہ اس مہم کو سر کرے۔ چنانچہ اس نے اس فن شعری کے قواعد کو محدود کرکے اسکی خصوصیات اس کے اوزان اور نظم کرنے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ اس طرح فن موشح کے قواعد کو مرتب کرنے والا مشرق و مغرب میں وہی سب سے پہلا شخص ہے۔ مورخین ابن سناء الملک کا تذکرہ کرتے وقت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ مشرق میں اس فن کو لانے میں

اور ان کو پروان چڑھانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ جبکہ وہ خود اس فن میں اندلسی شعراء سے خود کو کمتر پاتا ہے اور اس کو اس بات کا احساس ہے کہ اس کے موشحات، اندلسی شعراء کے موشحات سے عمدگی میں کم درجہ رکھتے ہیں۔

موشح کی تعریف اور اس کے عناصر:- ابن سناء الملک نے موشح کی تعریف بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب دار الطراز میں لکھا ہے کہ موشح ایک خاص وزن پر منظوم کلام ہے جس میں اکثر ۶ قفل اور ۵ بیت ہوتے ہیں۔ اس قسم کو تام کہتے ہیں۔ اور کبھی ۵ قفل اور ۵ بیت ہوتے ہیں۔ اس قسم کو اقرع کہتے ہیں کہ اس طرح تام وہ قسم ہے جس کی ابتدا اقفال سے ہوتی ہو اور اقرع وہ قسم ہے جس کی ابتدا ابیات سے ہوتی ہو۔

لفظ موشح 'وشاح' سے ___ ہے۔ وشاح چمڑے کی ایک پیٹی ہوتی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے موتی ٹنکے ہوتے اور کئی رنگوں کے قیمتی جواہرات وغیرہ جڑے ہوتے ہیں اور جس کو قدیم زمانہ میں عورتیں نیکلس یا ہار کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔ موشح میں چونکہ موسیقی کے رنگارنگ زیروبم اور مختلف اوزان ہوتے ہیں اور یہ شاعری کی ایک بہت ہی خوبصورت اور دلآویز قسم ہے اس لئے اس کو قیمتی ہار سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کا نام موشح رکھا گیا۔

اجزاء موشح: اندلسی ___ اپنے موشح میں کہتے ہیں۔

قفل ۱: ضاحک عن جمان | سافر عن بدر | ضاق عنہ الزمان | وحواہ صدری

جزو ۱ | جزو ۲ | جزو ۳ | جزو ۴

بیت ۱:
آہ مما اجد | شفنی ما اجد | جزو مرکب ۱
قام بی وقعد | باطش متئد | جزو مرکب ۲
کلما قلت قد | قال لی این قد | جزو مرکب ۳

قفل ۲: وانثنی خوط بان | ذا مہز نضیر | عابثتہ یدان | للصبا والقطر

دونوں قفلوں کے درمیان بیت ہوتا ہے۔ اس کے بیت میں قصیدہ کی طرح یہ ضروری نہیں کہ بیت کے دو حصے ہوں۔ ہر قفل کا وزن، قوافی اور اجزاء کی تعداد میں یکسانیت ضروری ہے۔ ابیات مرکب یا مفرد دونوں طرح سے ہو سکتے ہیں۔ سارے موشحہ کے ابیات کے وزن اور اجزاء کی تعداد میں یکسانیت ضروری ہے، لیکن قافیہ میں یکسانیت ضروری نہیں۔ قفل میں کم از کم دو اجزاء اور زیادہ سے زیادہ آٹھ اور دس اجزاء ہوتے ہیں۔ بیت میں کم از کم تین اجزاء (جیسا کہ مذکورہ موشح میں ہے) ہوسکتے ہیں۔ دو اجزاء بہت شاذ ہوتے ہیں اور کبھی ۴، ۲ اجزاء بھی ہوتے ہیں (یہ اصول اس بیت کیلئے ہے جو مرکب ہو) زیادہ سے زیادہ بیت کے ۵ اجزاء ہوتے ہیں۔

قفل: دو اجزاء اور زیادہ سے زیادہ آٹھ سے دس تک اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔ ابن سناء الملک نے گیارہ اجزاء بھی گنائے ہیں۔ یہ ان اجزاء کا مجموعہ ہوتا ہے جن پر دور ختم ہو۔ قفل کا وزن، قافیہ اور اجزاء کی تعداد مطلع کے مطابق ہونی چاہیئے۔

بیت: دور اور اس سے متعلق قفل کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بسیط (۲) مرکب۔ بیت کا جزو اگر مفرد ہو تو بسیط ہے اور اگر بیت کا جزو دو یا دو سے زیادہ فقروں سے مرکب ہو تو اس کو مرکب کہتے ہیں۔ بیت بسیط میں تین سے پانچ اجزاء تک ہوتے ہیں۔ بیت مرکب کا ہر جزو دو سے پانچ فقروں تک پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر بیت قفل پر ختم ہوتا ہے۔ ایک بیت کے دو حصے ہوتے ہیں پہلا حصہ دور اور دوسرا حصہ قفل کہلاتا ہے۔ ہر دور کے عموماً تین جزو ہوتے ہیں۔ ہر جزو کو سمط کہتے ہیں۔ قفل کے دو جزو ہوتے ہیں اور ہر جزو کو غصن کہتے ہیں۔ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے

المطلع:- (مذہب، لازمہ) ان اجزاء کا مجموعہ جس سے موشح شروع ہو۔

الدور:- کئی قسموں کا مجموعہ جس کے قوافی مطلع کے قوافی سے مختلف ہوتے ہیں۔

السمط:- دور کی ہر قسم کو سمط کہتے ہیں۔

القفل:- ان اجزاء کا مجموعہ جن پر دور ختم ہو۔ قفل کا وزن قافیہ اور اجزاء کی تعداد مطلع کے مطابق ہونی چاہیئے۔

الخرجہ:- موشح کا آخری قفل۔ اس میں عامی الفاظ لانا جائز ہے۔

الغصن: مطلع، قفل، خرجہ کا ایک حصہ

بقیہ صفحہ ۲۲

از عبادت خلاقی
شعبہ سیاسیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

سرسید اور علماء

تہذیب الاخلاق ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۵ء کا شمارہ دیکھا، سرسید مرحوم کے اخلاص، محنت، لگن اور قومی ہمدردی کی داد دینی پڑتی ہے کہ باوجود زبردست مخالفتوں اور مزاحمتوں کے اپنی راہ پر لگے رہے اور تعلیمی منصوبہ کی تکمیل کر کے چھوڑی۔ اور اسی راہ میں پوری زندگی وقف کر دی۔

لیکن ذرا سنجیدگی سے سوچیے کہ کسی قوم یا فرد کی غلطیاں اخلاص سے اور محنت و لگن سے دھل جائیں گی؟ سرسید بلاشبہ مخلص تھے لیکن اسلام اور قرآن کے متعلق ان کے افکار کس خانے میں رکھے جائیں گے؟ تہذیب الاخلاق کے ہر مضمون نگار نے اس امر پر زور دیا ہے کہ علماء نے سرسید کی مخالفت کی لیکن کسی نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ یہ مخالفت کیوں کر ہوئی؟ کیا تعلیم انگریزی کی وجہ سے؟ نہیں علماء نے انگریزی تعلیم کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں ان کے صاحبزادے کی شہادت موجود ہے کہ وہ حج سے واپسی کے بعد ہندوستان آ کر انگریزی زبان سیکھنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن افسوس ہے کہ اجل مسمّیٰ نے واپس ہونے کے بعد مہلت نہ دی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ کے خطبہ صدارت میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو صاف فرمایا تھا کہ:-

"آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا"

اسباب بغاوت ہند میں خود سرسید مرحوم نے لکھا ہے کہ:-

"بڑے بڑے کالج جو شہروں میں قائم تھے، اوّل اوّل لوگوں کو ان سے بھی کچھ وحشت لوگوں کو ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں شاہ عبدالعزیز جو تمام ہندوستان میں نامی مولوی تھے، زندہ تھے مسلمانوں نے ان سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے صاف جواب دیا کہ انگریزی کالج میں جانا اور پڑھنا اور انگریزی زبان کا سیکھنا بموجب مذہب درست ہے اس پر سینکڑوں مسلمان کالجوں میں داخل ہوئے۔"

علماء کی مخالفت کی وجہ سرسید مرحوم کے افکار تھے جو اسلام سے ٹکراتے تھے۔ سرسید مرحوم انگریزوں کی حکومت ہی سے مرعوب نہ تھے بلکہ فکری و تہذیبی میدان میں بھی انگریزی تہذیب و ثقافت کے حامی اور مؤید تھے۔ ان کی تفسیر بائبل مرعوبیت کی زندہ شہادت ہے اس کتاب کو سرسید نے غیر محرف مان کر اس سے اسلامی تعلیمات کی تائید کی ہے۔ رسالہ طعام اہل کتاب میں انگریزی طرز معاشرت کے جواز کی راہیں ڈھونڈھی ہیں۔ خطبات احمدیہ جو سر ولیم میور کی کتاب کا جواب ہے کا انداز معذرت خواہانہ اور دفاعی ہے اور ان کی تفسیر قرآن تو جدید افکار اور فلسفوں کی مکمل شارح ہے جس میں ملائکہ، جنات، معجزات، معراج جسمانی سب کا انکار کر دیا گیا ہے۔

آخر ان باتوں کو علماء کیسے برداشت کر لیتے؟ یہی وجہ ہے کہ ان پر کفر، الحاد اور گستاخانہ فتوے لگائے گئے جس میں یقیناً غلو

بقیہ صفحہ ۴۴

ترجمہ- عبدالکریم نظامی اکبرآبادی

ارسال: فضل رب اصلاحی
شعبہ معاشیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

قرآن، بابا نانک اور گرنتھ صاحب

جب اسلام کے اصول توحید اور انسانی مساوات کی روشنی اس برصغیر میں داخل ہوئی تو سورن پوجا، طبقاتی نظام اور چھوا چھوت کے غیر حقیقی تصورات کے خلاف ایک باغیانہ رجحان ابھرا۔ ہندو سماج میں ایک ہل چل، آہستہ آہستہ پیدا ہوئی بھگتی تحریک نے جنم لیا۔ بابا نانک، کبیر داس اور دوسرے ہندو و سکھ مصلحین نے اسلام کی تعلیمات کا اثر کافی قبول کیا چنانچہ اس کے اثرات ان کی تحریروں میں نمایاں ہیں۔

بابا نانک کا مزاج صوفیانہ ہے اور اسلام کی روشنی بھی ان تک تصوف کے راستے سے پہونچی۔ ظاہر بات ہے کہ جب بادشاہت کا سارا محور توجہ سیاست کاری ہو تو عوام میں دینی و روحانی دولت کا ذریعہ صوفیا و علماء ہی رہ جاتے ہیں اقتدار و بام کی بلندیوں سے جو کام نہیں ہو رہا تھا اسے بوریا نشینوں نے کر دکھایا۔

اگر آج مسلمانوں اور سکھوں میں سے کچھ محققین ایسے تیار ہوں جو گرنتھ صاحب کی تعلیمات اور بابا گرو نانک کے کردار اور اقوال و احوال اور ان کی سوانح پر تحقیقی کام کریں تو بعید نہیں کہ خود سکھوں پر کھل جائے کہ وہ حقیقت میں کیا ہیں اور انھوں نے اپنے آپ کو تاریخ اور سماج کے نقشے میں کہاں کھپا رکھا ہے۔ کہیں خواجہ معین الدین چشتی کے پیغام حق اور گرو نانک کے وحدت کے گیت کا رشتہ کسی ایک ساز کے تاروں سے تو نہیں جا ملتا۔

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس وطن میں وحدت کا گیت گایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یہ ایک مختصر مضمون عبدالکریم نظامی صاحب کا ہے جسے سپارہ ڈائجسٹ سے نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ جلد ہی میں ایک سکھ دوست سے مزید معلومات حاصل کر کے اس سلسلے میں اور لکھوں گا اور میرے ایک کلاس فیلو کا تو گرو نانک پر ایک مستقل مقالہ تیار ہے اسے بھی جلد ہی ارسال کروں گا، فی الحال یہی اثاثہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

فضل رب اصلاحی
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سکھ مذہب کے بانی گرونانک صاحب اسلامی تعلیم سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے کلام میں اکثر کلام الٰہی کے عربی الفاظ جگہ جگہ تحریر کئے ہیں چند حوالے پیش کرتا ہوں۔

سو کرتا قادر کریم دے جیا رزق سنبھاہے
(گرنتھ صاحب ص ۱۴۷ سطر ۵ آسا دی وار)

مطلب: ہر ایک کو قادر کریم کا روزانہ جاپ کرنا چاہیے جو رزاق بھی ہے۔

کوئی بولے رام رام کوئی خدا
کوئی سیوے گسیا کوئی اللہ
کارن کرن کریم کرپا دھار رحیم
(گرنتھ صاحب ص ۸۸۵ سطر ۸ رام کلی محلہ ۵)

غور کریں اس شعر میں خدا، اللہ، کریم، رحیم جیسے اسماء باری موجود ہیں۔

ولا کا مالک ہے پاک
قرآن کتیب تے پاک
(گرنتھ صاحب ص ۱۰۸۵، سطر آخری رام کلی محلہ ۵)

آپ غور کریں فقط مالک کے علاوہ قرآن کا تذکرہ کیا گیا ہے
اور اس کے ساتھ توصیفی لفظ پاک بھی موجود ہے۔

کل پرواں کتیب قرآن
پوتھی پنڈت رہے پران
نانک ناؤ بھیا رحمن
کر کرتا تو ایکو جان
(گرنتھ صاحب ص ۹۰۳ رام کلی محلہ پہلا)

حق کہ گرنتھ صاحب میں کئی جگہ عربی الفاظ بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ درحقیقت یہی وہ کتاب مقدس ہے جس کے پڑھنے اور عمل کرنے سے حیوان بہ انسان اور انسان سے باخدا انسان بنتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ گرو نانک صاحب نے نہ صرف قرآن پاک کے الفاظ ہی اپنے کلام میں شامل کئے ہیں بلکہ اس مقدس کتاب پر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرمائی ہے:

توریت زبور انجیل ترے پڑھ سن ڈٹھے وید
رہی قرآن کتاب کل جگ میں پروان
(جنم ساکھی کلاں ص ۱۴۷)

گرو نانک صاحب فرماتے ہیں کہ توریت زبور انجیل وید ہر کتاب کو خود بھی پڑھا اور دوسروں سے پڑھا کر بھی سنا۔ اس یگ کے دور میں اگر کوئی کتاب دنیا کو گناہوں سے بچا سکتی ہے تو وہ صرف قرآن ہے۔

گرو صاحب فرماتے ہیں:

کھاون قسم قرآن دی، کارن دین حرام
آتش اندر سٹ سن آکھے نبی کلام
(جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۲۵)

مطلب: قرآن جیسی بےنظیر کتاب کی جھوٹی قسم جو لوگ کھاتے ہیں وہ بڑا ذلیل اور بڑا حرام کام کرتے ہیں۔ وہ بلا شبہ ایندھن دوزخ نہیں گے اور یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اور ملاحظہ کیجئے:

تیہہ حرف قرآن دے تیہے سپارے کین
تس وچ پند نصیحتاں سن سن کر یقین

مطلب: قرآن شریف کے تیس حروف اور تیس ہی پارے ہیں اور اس مکمل کتاب میں لاانتہا پند نصیحتیں ہیں۔ اسے سننے والو نہ صرف سنو بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔

بقیہ صفحہ ۲۰:

البیت: دو، دو اور اس سے متصل ثقل کا مجموعہ

سورۃ کا نام لازمہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں پانچ ابیات اور ہ ثقل ہوتے ہیں۔ سورۃ کا ورود تریت سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں مقطع نہیں ہوتا۔

حوالہ جات کتب

۱۔ مقدمہ ابن خلدون

۲۔ المطرب من اشعار اہل المغرب	ابن دحیہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۴ء
۳۔ الذخیرۃ فی محاسن اہل الجزیرۃ	ابو الحسن علی بن بسام
۴۔ ازہار الریاض فی اخبار عیاض	شہاب الدین احمد المقری
۵۔ نفح الطیب	مصطفیٰ کی عوض الکریم
۶۔ قصۃ الادب فی الاندلس	عبدالمنعم خفاجہ
۷۔ تاریخ الآداب	جرجی زیدان جرجی

ناظمِ اجتماع نور محمد فلاحی

خطبہ استقبالیہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

صدر محترم، اساتذۂ کرام، ناظم جامعہ و ذمہ داران جامعہ، بھائی گرامی، عزیز طلبہ و ہم سفرو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی یہ مجلس کتنی خلوص آشنا اور جذبۂ اخوت سے معمور ہے۔ ایک عرصہ بعد ایک بار پھر آپ حضرات کا مادر علمی کے اس احاطہ میں خیر مقدم کرتے ہیں۔ آپ کو دھڑکتے دل اور بے تاب جذبۂ شوق کے ساتھ کونشن کے اسٹیج سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس وقت تو وفور شوق اور جذبۂ محبت سے سرشار دل وجان فرش راہ کر دینے کو جی چاہتا ہے مگر اچانک جیسے یہ کچھ ہو گیا ہے۔ نگاہیں اس بھری محفل میں کسی کی شفقتوں کو تلاش کر رہی ہیں اور دل کسی کے نہ ہونے پر بے حد اداس ہے۔ وہ شفقت یقیناً مرحوم و مغفور استاذ کی تھی۔ کیا خبر تھی کہ پچھلے کونشن کے بعد مرحوم کی پُر سوز آواز میں درس قرآن سننا پھر نصیب نہ ہوگا۔ ٹھہرئیے ذرا دم لینے دیجئے اچانک کرب و گھٹن سے دل بیٹھا جا رہا ہے۔ مرحوم شفیق استاذ کی شفقتیں بے طرح یاد آرہی ہیں۔ اس خاص موقع نے زخم دل ہرے کر دیے ہیں ؎

بہت دنوں سے نہیں اپنے درمیاں وہ شخص
اداس کر کے کہاں سب کو چل دیا وہ شخص
اس ایک شخص میں تھیں دلربائیاں کیا کیا
ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں وہ شخص
قبول کیسے کریں ہم اہل درد اسے!
دلوں میں چھوڑ گیا اپنی داستاں وہ شخص

ابھی دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوا کہ نگاہیں کسی اور کو تلاش کر کے تھک رہی ہیں۔ آج وہ شخص کہاں گم ہے جس سے اس طرح کی محفلیں کبھی خالی نہیں رہتی تھیں۔ میری مراد استاذ محترم مولانا بشیر احمد صاحب سے ہے۔ ہمیں حقیقت کا علم ہے مگر دل کو پھر بھی تلاش ہے۔ یہ ہمارے کرتوت ہیں کہ وہ ہمیں اپنی شفقتوں سے اپنی بے مثال جد و جہد سے محروم کر گیا۔ اس وقت عزیز طلبہ سے میرا ایک سوال ہے اساتذۂ کرام اور فلاحی برادری کے سامنے۔ کیا ہم نے آپ کو مادر علمی کے در و بام اور اس کی پر سکون اور خاموش فضا اس لئے حوالہ کی تھی کہ آپ اس طرح کا رویہ روا رکھیں اور مادر درسگاہ کی بے داغ تاریخ میں ایسے ننگ وعار کے باب شامل کر دیں؟ بخدا ہم اس امید پر اس گلشن کو آپ کے حوالے کر گئے تھے کہ آپ اس کی فضاؤں کو مسموم نہ ہونے دیں گے۔ یہاں بلبلوں کو نغمہ سرائی کی آزادی اور زاغ و زغن کے داخلے پر پابندی لگائیں گے۔ ہمارے بعد اساتذۂ کرام کی خدمت و تعظیم میں کوئی فرق نہ آنے دیں گے مگر آپ نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ آپ نے ہمارے جذبات کا اس حرکت سے مذاق اڑایا ہے۔ ہم آپ تمام لوگوں کے سامنے کونشن کے اس اسٹیج سے ایک بار پھر معافی مانگتے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ کہ ہمارے نادان بھائیوں کی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا ہماری گردنیں شرم و ندامت سے جھکی ہوئی ہیں۔

برادران گرامی وحاضرین اجتماع! اس وقت بظاہر میں آپ کے درمیان کھڑا ہوا ہوں مگر دل و دماغ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ آج ہم ایسے وقت میں آپ کا استقبال کر رہے ہیں جب کہ عالم اسلام پر سازشوں کی یلغار ہے۔ فلسطینیوں کو ذلت و رسوائی

کے ساتھ ایک بار پھر بے دلی کا احساس دلایا گیا ہے۔ لبنان میں مسلمانوں پر ظلم و بربریت، سفاکیت اور بے رحمی کی ہر کوشش روا رکھی گئی ہے۔ اپنے ملک میں بھی انہیں چین سے جینے نہیں دیا جا رہا ہے۔ افغانستان پر سرخ انقلاب کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ صہیونیت اور استعماری طاقتیں عالم اسلام پر اپنے پنجے گاڑنے کی آخری کوششوں میں مصروف ہیں۔ تونس کی سرزمین کے تحریر انتخاب کو حقوق کی پامالی کا نام دیا جا چکا ہے۔ اسرائیلی ظلم و استبداد کے سامنے خود عربوں نے بھی عملی طور پر سپر ڈال دی ہے مگر حیرت ہے کہ عبرت کے یہ تازیانے بھی ہماری آنکھ نہ کھول سکے۔ ہم آج بھی جذبۂ اخوت اسلامی سے بیگانہ اور اتحاد ناآشنا ہیں۔ ایران و عراق کی بے معنی جنگ ختم ہونے کو نہیں آرہی ہے۔ شام و لیبیا کی وقت بے وقت کی کھٹ پٹ سے ہر وقت اتحاد ملت کو خطرہ ہے۔ خلیجی ممالک اپنے آپ سے کٹتے جا رہے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ دوسروں کے دست و بازو کے سہارے قومیں زندہ نہیں رہتیں۔ پاس پڑوس اور خود وطن عزیز میں مذہب بیزاری کے جھگڑے اٹھ رہے ہیں۔ ہر طرف غیر اسلامی نظریات کے جھنڈے چل رہے ہیں۔ پچھلے دنوں دارالعلوم جیسے عظیم مرکز علوم حدیث پر خود طلباء نے شب خون مار کر جگ ہنسائی کا ایک موقعہ فراہم کر دیا ہے۔

ہم ایسے حالات میں پل رہے ہیں جو پچھلے کئی سالوں سے کہیں مختلف ہیں۔ آج ملت اسلامیہ مختلف محاذوں پر شکست و ریخت سے دوچار ہے۔ خود اپنے ملک میں مسلم اقلیت کو سیاسی و سماجی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کا سامنا ہے۔ ان حالات میں یقیناً مستقبل کے متعلق دل میں وسوسے جنم لیتے ہیں پھر بھی ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ نہ یہ شیوۂ مومن ہے اور نہ ہم نے اپنے اساتذہ اور مادر علمی سے یہ سیکھا ہے۔ اس افتتاحی اجلاس میں عہد کرنا ہے کہ ہم پوری طاقت سے ان چیلنجوں کا مقابلہ کریں گے۔ ہمیں صرف اپنا ایمان بچا کر مطمئن نہیں ہونا ہے۔ صرف اپنے ہی پر قناعت نہیں کرنی ہے بلکہ حوصلہ و ہمت سے ان حملوں کا دفاع کرنا ہے۔ اپنے مقدس مقامات اور گرانقدر اسلامی ورثے کی ہر صورت حفاظت کرنی ہے۔ ان حالات میں آپ کو پا کر دل کی کیا کیفیت ہے بیان سے باہر ہے لہذا ہم آپ کا استقبال کرنے کے ساتھ دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔ آج ہم سنجیدگی سے مل بیٹھیں گے اور اپنی انجمن کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے ساتھ مقصد حیات کی بازیافت کے لئے لائحہ عمل Line of action بھی طے کریں گے۔

آج ہمیں اپنے ذمہ داران اور قابل صد احترام اساتذہ کرام کے سامنے اپنی پچھلی کارکردگیوں کا حساب دینا ہے۔ آئیے اور بے تکلف آئیے جامعہ کے در و بام آپ کو مرحبا کہہ رہے ہیں۔ اساتذہ کرام آپ کو گلے سے لگانے کے لئے تیار ہیں۔ وہ ہم سے ہماری پچھلی دو سالہ کارکردگیوں کی کامیاب رپورٹ سننا چاہتے ہیں۔ پچھلے دو سالوں میں ہماری کارکردگیوں کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے۔ ہماری کارکردگیوں سے اساتذہ کرام بڑی حد تک مطمئن ہیں۔ اب ہمیں ان کو یہ یاد دلانا ہے کہ جامعہ کی چہار دیواریوں سے باہر نکل کر ملت اور دین کے لئے ہم نے کیا کیا۔ کیا آپ بھول گئے کہ آپ ایک کاز کے لئے ملک کے خطوں میں پھیلے ہوئے ہیں؟ آج مسجد کے یہ بلند مینارے جن کے سائے میں ہم نے پچھلے کنونشن کے موقع پر اپنے اس مقدس کاز کی پاسبانی اور پاسداری کا عہد کیا تھا، آپ سے سوال کرتے ہیں، آپ سے آپ کی کارکردگی کا حساب مانگتے ہیں۔ مادر علمی کا ذرہ ذرہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ جامعہ ہی نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کی تقدیر کے فیصلے آپ کی رائے کے بغیر ادھورے رہیں گے۔ آج ہم کو نہ صرف مادر علمی سے تجدید وفا کرنا ہے بلکہ بڑے اہم اور مثبت فیصلے بھی کرنے ہیں۔ ہم یہاں از سر نو اساتذہ کرام سے آئندہ سالوں کے لئے ہدایات اور حوصلہ مندیاں لے کر جانے کے لئے آئے ہیں۔

ہمیں فخر ہے اپنی مادر علمی اور مخلص اساتذہ کرام پر جنھوں نے تربیت سے ہماری رگوں کو اسلامی حمیت، اخوت و محبت کا گرم خون عطا کیا۔ ہم ان کے بے حد ممنون ہیں کہ ان کی محنت اور کوششوں کے عوض ہم اس لائق ہوئے۔

اساتذہ گرامی و ذمہ داران جامعہ! ہم آپ کو ایک بار پھر یقین دلاتے ہیں کہ آپ کے بتائے ہوئے سبق کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ اپنی عدیم الفرصتی اور بعد مکانی کے باوجود ہم برابر نیا سبق سیکھنے اور پرانے سبق کا ٹیسٹ دینے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہیں گے۔ آپ یقین مانیں ہم جہاں کہیں بھی رہتے ہیں ایک لمحہ کے لئے ہمارے دل جامعہ کی محبت اور آپ لوگوں کی شفقتوں کی یاد سے خالی نہیں رہتے۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ جس طرح ہم کوئی بھی ہوں اول اور آخر مسلم ہیں اسی طرح اپنی آئندہ زندگیوں میں خواہ کوئی بھی اعزاز حاصل کر لیں ہم اول سلفی اور آپ

کے شاگرد پھر بدلی اور جامعی وطلیگ یہ احساس ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہے۔ سال دو سال میں ہماری یہاں حاضری اس کا ایک ثبوت ہے۔ ہم مادرِ علمی کی ہر ممکنہ خدمت کا یقین دلاتے ہیں۔

میرے جدید ہم سفرو! میری طرح حالیہ فارغین سے بھی ہم دراصل آج آپکا استقبال کرنے آئے ہیں۔ انجمن طلبہ قدیم کو آپ کی صلاحیتوں اور خدمات کی ضرورت ہے۔ بالفاظ دیگر آپ سے آئندہ زندگی میں جامعہ کے کاز کی پاسبانی مطلوب ہے۔ آپ یقین مانیں آپ کے آنے سے ہم کہیں زیادہ قوت محسوس کرنے لگے ہیں۔ ہمیں بے حد خوشی ہے کہ انشاء اللہ آپ کی شکل میں ہمیں اپنے خوابوں کی تعبیر ملنے جا رہی ہے۔ انجمن کے آئندہ منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے آپ جیسے حوصلہ مند نوجوانوں کی ضرورت ہے ہم آپ کو اپنے ساتھ شامل کرنے جمع ہوئے ہیں اگر آپ اپنے مکمل تعاون کا یقین دلائیں تو اسے ہم اس کنونشن کی کامیابی تصور کریں گے۔

عزیز طلبہ! اس موقعہ پر میں اپنے چھوٹے بھائیوں کو بھلو نہ سکا ہوں گا۔ اس کنونشن کو کامیاب جس شوق و دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو ہم سے کتنا پیار ہے اور ہم کو یہاں پا کر کس قدر خوش ہیں۔ ہم ان کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں اور ان کے لئے تابناک مستقبل کی دعا کرتے ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! آپ ابھی عمر کی ایسی منزل میں ہیں جس میں فکر و ذہن کی نشو و نما ہوتی ہے۔ آپ ہمارے کردار اور علمی لیاقت سے اپنا موازنہ نہ کیجئے، دانشوروں اور بزرگوں کی سیرتوں سے خوشہ چینی کیجئے اسوۂ کرام اور صحابۂ کرام کی سیرتوں سے اخذ کیجئے اور کلام اللہ کو حرزِ جاں بنا لیجئے شمع علم کے پروانو! شبلی و فراہی کی سرزمین پر آپ ان بزرگوں نسبت خانی کی لاج رکھنے فکر مودودی کے امینو! اپنے اندر جری بے باکی، کمال علم اور داعیانہ صفات پیدا کیجئے، آزاد کا زورِ بیان اور اقبال کے سوز و فلسفۂ خودی کو اپنے اندر جذب کر لیجئے۔

آخر میں ان تمام حضرات کا دل سے مشکور ہوں جنکی علمی کاوشوں، عالی قدروں اور مفید مشوروں کے طفیل میں یہ کوشش آرگنائز کر سکا اسکی بھر کامیابی حسن انتظام کا تمام سہرا میرے دوستوں اور کرم فرماؤں

بقیہ صفحہ پر

بقیہ صفحہ

النبیؐ کی ایک ایک جلد بطور انعام پیش کی۔

حافظ امان اللہ کی کم سنی اور خوش الحانی سے خوش ہو کر سید صباح الدین صاحب نے اپنی جانب سے سو روپئے پیش کئے۔ اور ابو البقاء صاحب ندوی (رکن انتظامیہ جامعۃ الفلاح) نے سرفراز احمد کو ایک قلم پیش کیا۔

انعامی تحریری مقابلہ کے نتائج

انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے ہی الاستاذ جلیل احسن الندوی کے تحت جس تحریری انعامی مقابلہ کا اعلان کیا گیا تھا، خدا کا شکر ہے کہ اس میں طلبہ نے کافی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور تقریباً ۲۲ مقالات ہمیں موصول ہوئے۔ جج صاحبان نے کافی غور و خوض کے بعد مندرجہ ذیل طلبہ کو انعام کا حقدار قرار دیا۔

گروپ اول طلبہ: فضیلت اول، دوم
شمیع اختر متعلم فضیلت دوم

گروپ دوم طلبہ: عربی چہارم و پنجم
تو قیر عالم متعلم عربی پنجم

گروپ سوم طلبہ: عربی اول، دوم، سوم
محمد نعیم احسن متعلم عربی سوم

گروپ اول طالبات: فاضلہ اول، دوم
صفیہ بانو متعلمہ فضیلت دوم

گروپ دوم طالبات: عالمہ اول تا چہارم
تبسم آفروز متعلمہ عربی چہارم

ان کے علاوہ دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو بھی انعامات دیئے گئے خدا سے دعا ہے کہ ان کی تحریری صلاحیتوں کو جلا ملے اور یہ سب تحریک اسلامی کے بہترین کارکن بن سکیں۔ آمین۔

جامعۃ الفلاح میں ششماہی امتحانات اور تعطیل سرما

جامعۃ الفلاح میں ششماہی امتحانات انشاء اللہ ۵ دسمبر سے شروع ہو کر ۱۳ جنوری تک ختم ہو جائیں گے جوں جوں امتحانات قریب ہوتے جا رہے ہیں طلبہ پڑھائی میں اتنی مستغرق ہوتے جا رہے ہیں ان کے بعد

ابوالکلام فلاحی
صدر انجمن طلبہ قدیم

خطبۂ صدارت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد!

برادرانِ گرامی، مہمانانِ کرام!

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا یہ دوسرا دو سالہ اجلاس منعقد کرتے ہوئے ہمارے دل اللہ رب العزت کے شکر و سپاس اور مسرت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ آج سے ٹھیک پانچ سال قبل ۱۴ نومبر ۱۹۸۲ء کو اس انجمن کا قیام عمل میں آیا تھا۔ پھر اس کا پہلا دو سالہ کنونشن ۱۹، ۲۰ مارچ ۱۹۸۵ء کو منعقد ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک بار پھر یہ موقع فراہم ہوا ہے کہ جامعۃ الفلاح کے بیشتر فارغین یہاں جمع ہو کر اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لیں، ایک دوسرے کے خیالات اور رایوں سے مستفید ہوں اور آئندہ کے لئے کچھ مفید پروگرام بنائیں۔ اس اجلاس میں انجمن کی کارگذاریوں کی مفصل رپورٹ پیش کی جائے گی جس سے ہم یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پچھلے تین سال کی مدت میں ہم نے اپنے مقاصد کے حصول کی راہ میں کیا پیش قدمی کی ہے اور اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کس حد تک ہمیں کامیابی یا ناکامی ہوئی ہے۔ نیز اس مدت کے دوران ہمیں کس قسم کے موافق یا ناموافق حالات سے گذرنا پڑا ہے۔ یہ سب تفصیلات تو آپ کو رپورٹ سے معلوم ہوں گی۔ البتہ اس وقت میں اس مدت میں پیش آنے والے ان دو عظیم حادثوں کا ذکر ضرور کروں گا جو جامعۃ الفلاح کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک تو جامعہ کے استاذ گرامی جامعہ کے پہلے ناظم اور تحریک اسلامی کے سرگرم کارکن مولانا جلیل احسن صاحب ندوی مرحوم کی ناگہانی وفات ہے۔ جو رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ میں جامعہ اور تشنگانِ علم کی خدمت کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور انہیں جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ نیز ان سے حاصل کئے ہوئے علم سے ہمیں اور ان کے تمام شاگردوں کو فائدہ اٹھانے اور اسے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اور دوسرا حادثہ عظیم جو اپنی نوعیت کا عجیب و غریب واقعہ ہے یعنی جامعہ کے سابق صدر مدرس استاذ محترم مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی پر ناکام حملہ۔ اللہ تعالیٰ استاذ موصوف کو مکمل صحت و عافیت عطا فرمائے۔ آمین۔

عزیز ساتھیو! یہ دونوں حوادث یقیناً جامعہ کے تمام ہی متعلقین اور ہمدردوں کے لئے انتہائی غم و صدمہ و تکلیف کا باعث ہیں۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ حیات و زندگانی میں مختلف قسم کے حوادث اور آزمائشوں کا پیش آنا ایک ناگزیر چیز ہے۔ اور اس قسم کے حوادث کے باوجود انشاء اللہ ہمیں اپنے عظیم تر مقاصد کے حصول کی راہ میں آگے بڑھتے ہی رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عزم و ہمت اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔ آمین۔

برادرانِ محترم! ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ اجلاس جس میں شرکت کے لئے ہم اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر وقت اور پیسہ خرچ کر کے یہاں آئے ہیں۔ کوئی تفریحی یا ثقافتی فنکشن نہیں ہے بلکہ یہ ایک سنجیدہ اور اہم پروگرام ہے۔ جس میں ہمیں پوری سنجیدگی اور دیانت داری کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر اپنے عظیم مقصد کے حصول کے سلسلے میں کچھ اہم فیصلے کرنے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ طے کرنا ہے کہ وہ کس حد

تک اور کس طور پر حصول مقاصد کی راہ میں عملاً حصہ لے سکتا ہے
افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک اس سلسلہ میں ارکان انجمن کی جانب سے مشترک طور پر جو عملی کوشش اور جد و جہد ہونی چاہئے تھی وہ کماحقہ نہیں ہو سکی ہے۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ ہمارے وہ تمام بھائی جو اب تک جامعہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور خصوصاً وہ جو انجمن کے باقاعدہ ممبر ہیں خواہ کسی بھی شعبہ میں کام کر رہے ہوں وہ ضرور ان مقاصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوں گے جن کے لئے انجمن کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اور اپنے طور پر ان کے حصول کیلئے کوشش بھی کرتے ہوں گے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم باہم مربوط رہتے ہوئے کام کریں اور اپنی سرگرمیوں سے ایک دوسرے کو باخبر بھی رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انجمن کا ارگن "حیات نو" ایک عرصہ تک بند رہنے کے بعد اب پھر شائع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ ہمارا یہ ارگن ہمیں باہم مربوط رکھنے اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے باخبر رہنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے اس لئے ہمیں اس کی بقا اور ترقی کے مستقل و پائیدار نظم کے متعلق بھی سنجیدگی سے سوچنا ہے۔

برادران گرامی! جیسا کہ آپ واقف ہیں ہماری تنظیم کا مقصد جہاں ایک طرف فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنا اور ان کی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید و موثر بنانے کی راہیں تلاش کرنا ہے وہیں دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اپنی مادر علمی کی تعمیر و ترقی میں ہر قسم کا عملی تعاون بھی برابر پیش کرتے رہیں۔

اس لئے میں اپنے تمام ساتھیوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مادر درسگاہ کے ایک فرزند کی حیثیت سے ہماری اہم ذمہ داری ہے کہ اس کی فلاح و بہبود اور درخشاں مستقبل کیلئے مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ ساتھ حتی المقدور اپنی صلاحیتوں استعمال کرتے ہوئے اس کی خدمت کریں اور درسگاہ سے عقیدت و محبت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے بارے میں ہر آن فکرمند رہیں اور اس کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے عملاً جد و جہد بھی کریں۔ اس کنونشن کے دوران ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس کی عملی شکلیں کیا کیا ہو سکتی ہیں چنانچہ اس کنونشن کے پروگرام کا ایک اہم جزو وہ مجلس مذاکرہ ہے جس کا عنوان ہے "جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ہمارا کردار"

حضرات! یہ تو وہ ذمہ داری ہے جو انجمن سے وابستگی کیساتھ ہی تمام ارکان پر خود بخود عائد ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہاں میں ایک اور خاص بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جس کو ہم اس پہلو سے بھی جائزہ لیں کہ ہمارے بھائی تحریک اسلامی کی خدمت کہاں اور کس انداز میں کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جامعہ کا مقصد صرف نظری تعلیم اور ذہنی تربیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ایک اہم کام شخصیت سازی بھی ہے یعنی ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔ اور جن میں احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا صحیح جذبہ ہو اور جو وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

دوسرے لفظوں میں تحریک اقامت دین کیلئے کارکن فراہم کرنا بھی جامعہ کے مقاصد میں شامل ہے۔

اس موقع پر ہمیں اس پہلو سے بھی سوچنا ہے کہ تحریک اسلامی سے ہمارے تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔ اور اس کی عملی سرگرمیوں میں ہمارا کیا رول ہے۔ اس کے پیش نظر ہمارے پروگرام کے ایک جزو کا عنوان "ابنائے فلاح اور تحریک اسلامی" ہے۔

محترم ساتھیو! امت مسلمہ کا ایک جزو اور اس ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے ملک اور پوری دنیا کے موجودہ حالات سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس وقت ہمارے گرد و پیش جو حالات ہیں اور جو واقعات پیش آ رہے ہیں۔ ان سے پورے طور پر واقف رہیں اور اس کی روشنی میں ہم اپنے لئے خطوط کار متعین کریں۔

آج ہمارے ملک میں جو لاقانونیت، بد نظمی اور بے راہ روی پھیلی ہوئی ہے وہ انتہائی تشویشناک ہے۔ خصوصاً نوجوانوں کے اندر جو اخلاقی بگاڑ اور تنگ نظری و تعصب وغیرہ پرورش پا رہے ہیں وہ ملک کے مستقبل کیلئے بہت ہی خطرناک ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ملک کے رہنماؤں کو [illegible]

اس خطرہ کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ اس کے تدارک کے بارے میں سوچ سکیں۔

آج کل ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کی جو لہر چلی ہوئی ہے وہ پوری دنیا میں اس ملک کی حکومت اور یہاں کی اکثریت کی بدنامی اور رسوائی کا باعث ہے۔ کاش ملک کے سربراہ اس اہم ترین مسئلہ کا حل تلاش کرنے کیلئے سنجیدگی سے غور و فکر کرتے اور جتنی توجہ اور اہتمام وہ کھیل کود اور لہو و لعب کے پروگراموں کی طرف صرف کر رہے ہیں۔ اس کا دسواں یا بیسواں حصہ اس طرف لگاتے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس مسئلہ کا حل تلاش نہ کر لیتے۔

حضرات! آج کے بین الاقوامی حالات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ خصوصاً عالم اسلام کی حالت تو انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ لبنان پر اسرائیل کا وحشیانہ حملہ، فلسطینی مجاہدین کا بیروت سے اخراج اور وہاں ان کا قتل عام ایسے واقعات ہیں جن کی وجہ سے آج پورے عالم اسلام کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ خاص طور پر عرب ممالک جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے انتہا دولت و ثروت سے نوازا ہے۔ ان کے لئے تو فی الواقع اسے ایک عذاب الٰہی اور قدرت کا تنبیہی تازیانہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

کاش اب بھی ان ممالک کو ہوش آ جائے اور وہ عیش کوشی ترک کر کے اور آپس کے اختلافات کو ختم کر کے متحد ہو جائیں اور اسلام و مسلمانوں کے غدار دشمن اسرائیل کی جارحانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

برادران محترم! اپنے ملک اور دنیا کے جن حالات کی طرف ابھی میں نے اشارہ کیا ہے وہ بلاشبہ بڑے تشویشناک ہیں اور ان کی درستی و اصلاح کیلئے ہمیں برابر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن ان سب حالات کے باوجود ہمیں مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تاریکی و ظلمت کے اس ماحول میں بھی امید و روشنی کی کچھ کرنیں بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ میری مراد اس مسلم نوجوان نسل سے ہے جن کے اندر مقصد کا شعور بیدار ہو چکا ہے اور وہ نئے جوش و ولولہ کے ساتھ پوری دنیا میں سرگرم ہو چکے ہیں۔

آج دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس اسلامی لہر کے خلاف ہیں جو دنیا میں ہر جگہ ابھرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ اور اس لہر کو دبانے کیلئے دنیا کے بڑے بڑے مفکرین اور دانشور مختلف تکنیکیں اور منصوبے تیار کر رہے ہیں اور طرح طرح کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں کی جا رہی ہیں۔ لیکن ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا دین غالب کرنا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس عالمی اسلامی انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتی جس کی آہٹ صاف سنائی دے رہی ہے۔ قرآن پاک کا یہ وعدہ یقیناً سچا ہے۔ واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ۝

آخر میں اپنے تمام ہم سفر ساتھیوں سے گذارش کروں گا کہ موجودہ حالات اور وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی عظیم ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور اپنی عملی سرگرمیوں کو اس طرح منظم کریں کہ اپنے مقاصد کو حاصل کرتے ہوئے دشمنوں کے عزائم کو ناکام بنا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ اپنے دین متین کی خدمت کی توفیق بخشے۔ اور اس راہ میں ہماری حقیر کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

میں علامہ اقبال کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

**

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

جن ایجنٹ حضرات نے ابھی تک بل کی ادائیگی نہیں کی ہے وہ جلد از جلد رقم ارسال کریں۔

ادارہ

رپورٹ انجمن طلبہ قدیم ۱۹۸۰-۸۱ء

برادران اسلام، مہمانان گرامی قدر اور اساتذہ کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

انجمن طلبہ قدیم کی تاریخ میں ۲۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہی انجمن کا یوم تاسیس ہے۔ چودھویں صدی انجمنوں اور تنظیموں کے قیام کی صدی کہی جاتی ہے۔ انجمنوں کے ہجوم میں ہماری اپنی ایک انجمن کا قیام عام لوگوں کیلئے تو کوئی خاص باعث کشش نہیں ہے۔ لیکن فارغین اور وابستگان جامعہ پر اسکی اہمیت و ضرورت پوری طرح واضح ہے۔ ہماری انجمن کا قیام کسی فرد یا چند اشخاص کے شوق قیادت کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس شعور کی وابستگی کی علامت ہے جو فارغین جامعہ کے دلوں میں جاگزیں ہے اور جس کا تعلق مقاصد جامعہ سے بھی ہے اور زندگی کے شخصی و اجتماعی مقصد سے بھی۔ قیام انجمن کا یہ مقصد اسکی تاسیس کے اول روز سے ہم پر پوری طرح واضح ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت اور افادیت بھی ہم سب پر اچھی طرح عیاں ہے۔

برادران عزیز! آج کی اس نشست میں مجھے انجمن کی گذشتہ دو سالوں کی رپورٹ پیش کرنا ہے۔ یہ رپورٹ محض بیانیہ نہیں ہے بلکہ انجمن کی کارکردگی اور سرگرمیوں کے ذکر و بیان کے ساتھ اس پر تنقید و تجزیہ بھی ہے تاکہ ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمیوں کا احساس ہو سکے اور پھر اس کے نتیجے میں مستقبل کی کارکردگی بے داغ اور پاک و صاف ہو۔

رپورٹ پیش کرنے سے قبل ہم قیام انجمن کے مقاصد کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیتے ہیں تاکہ انہی کی روشنی میں بآسانی گذشتہ دو سال کی سرگرمیوں کا جائزہ لے سکیں۔

۱۔ فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنا

۲۔ ان کی صلاحیتوں کو ان مقاصد کے حصول کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید اور موثر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

۳۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا۔

۴۔ مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے دیگر دینی و تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

مناسب ہوگا اگر آگے بڑھنے سے پہلے مقاصد جامعہ سے بھی آگاہی حاصل کر لیں۔ جو دستور جامعہ کی دفعہ نمبر ۲ میں مذکور ہیں۔

(۱) ایسے افراد تیار کرنا

(الف) جو قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

(ب) جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر بھی ہو اور جو غیر اسلامی نظریات سے بخوبی واقف ہوں۔

(ج) جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

(د) جن میں احیاء دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا سچا جذبہ ہو۔

(ہ) جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲) ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی و دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔

اب مقاصد انجمن کی روشنی میں گذشتہ دو سالوں کی کارکردگی پیش کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے یہ معلوم کرتے ہیں کہ اب تک فارغین کی تعداد کیا ہے۔ مجموعی طور پر ۲۰۰ طلبہ ہیں جنہوں نے جامعہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جنہوں نے صرف عالمیت کی ہی

اور ان کی تعداد ۵۰۰ ہے باقی ۱۰۵ طلبہ نے یا تا امروز فضیلت تک تعلیم حاصل کی ہے۔

جہاں تک مقاصد جامعہ کیلئے فارغین جامعہ کو منظم کرنے کی بات ہے تو گذشتہ دو سالوں میں اگرچہ کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی ہے پھر بھی پہلے کی بہ نسبت تنظیم اب زیادہ منظم ہے۔ اس سلسلہ میں پریشانی کی بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے کوئی واضح نقشہ کار نہیں ہے۔ اگرچہ اکثر فارغین جامعہ تحریک اسلامی سے وابستگی کی وجہ سے یہ مقصد ایک طرح سے پورا کر رہے ہیں تاہم یہ ضرورت اپنی جگہ باقی رہتی ہے کہ خود انجمن کے سامنے ایک واضح نقشہ کار ہو جس کے مطابق مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے فارغین جامعہ کو بہتر انداز میں منظم کیا جاسکے۔ اس کوشش نے ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ اس سلسلے میں غور و فکر کرکے کوئی صورت پیدا کریں۔ دو باتیں خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔

(۱) مرکز اور افراد کے مابین بہتر رفتار ربطہ و تعلق۔

(۲) جن مقامات پر ابنائے قدیم اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں ان کی تنظیم، مرکزی انجمن سے ان کا ربط اور ان کیلئے منصوبہ بند پروگرام۔

دوسرا مقصد جس کیلئے انجمن کا قیام عمل میں آیا یہ ہے کہ فارغین کی صلاحیتوں کو مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے مفید و موثر بنایا جائے اس بنیادی مقصد اور دوسرے ذیلی اغراض و مقاصد کے حصول کیلئے "حیات نو" کا اجراء عمل میں آیا خیال یہ تھا کہ یہ رسالہ ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے قدیم طلبہ کے درمیان رابطے کا کام دے گا۔ اس کے صفحات ایک دوسرے کی فکر و سوچ کی اشاعت اور پھر ان سے استفادہ کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ اور یہ کہ اس کے ذریعہ فارغین کی صلاحیتوں کے صحیح استعمال کیلئے رہنمائی فراہم کی جائے گی۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا۔ بجائے فارغین کے مسائل پر "حیات نو" کے ذریعہ اظہار خیال کیا جاتا خود "حیات نو" کا نکلنا ہمارے لئے ایک مسئلہ بن گیا۔ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد رسالہ اب دوبارہ شائع ہونے لگا ہے۔ اس کانفرنس میں جہاں انجمن کے اچھے خاصے دماغ موجود ہیں ہر حال تو کے تمام مسائل کا جائزہ لے کر اس کی مستقل اور غیر منقطع اشاعت کے لئے منصوبہ بندی بھی کریں گے اور یہ بھی غور کریں گے کہ فارغین کی صلاحیتوں کو کس طرح منظم کیا جائے اور وہ کیا تدابیر اختیار کی جائیں جن سے فارغین کی گوناگوں صلاحیتوں کا فیض عام ہو سکے۔

فارغین کی صلاحیتوں کے استعمال کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ہمارے بعض بھائی ایسے مقامات پر رہتے ہیں جہاں سے بہ آسانی مالیات کی فراہمی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے اچھے خاصے بھائی علی گڑھ و جامعہ ملیہ میں ہیں اور قدیم علوم و فنون کے ماحول میں قیمتی تجربات حاصل کرنے کے بعد جدید علوم و فنون کی تجربہ گاہ میں قدم رکھ چکے ہیں ہم چاہیں تو ان کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر واقعی میں جامعہ کو جدید و قدیم علوم کا سنگم بنا سکتے ہیں۔ ہمارے بہت سے بھائی تجارت کے میدان میں سرگرم عمل ہیں انہیں موقع حاصل ہے کہ مالی استحکام عطا کر سکیں۔ اور آخر میں یہ کہ مختلف اداروں میں فرائض تدریس انجام دینے والے ہمارے بھائی تعلیم کے بارے میں جامعہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرکے مادر علمی کی نیک نامی کا باعث بن سکتے ہیں۔

تیسرا بنیادی مقصد جس کے لئے انجمن قائم ہوئی وہ ہے جامعہ کی تعمیر و ترقی کیلئے ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا۔ بفضلہ تعالیٰ اس سلسلہ میں انجمن کی سرگرمیاں قابل تعریف ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ آخری منزل نہیں ہے اور ہمیں انجمن کا پورا احساس ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ بہت کم ہے اور یقیناً ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے ہر حال جو کام انجام پاسکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب بھی کوئی مسئلہ جامعہ کو درپیش ہوا تو فارغین نے عموماً اور انتظامیہ و تعلیمی کونسل کے ممبر فارغین نے خصوصاً حسن و خوبی سے اپنا کردار ادا کیا۔ جسے محترم اساتذہ اور دیگر ذمہ داروں نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور ہماری حوصلہ افزائی بھی کی مستقبل میں بھی ہماری خواہش اور کوشش ہوگی کہ مسائل کے حل کیلئے اپنی بساط بھر کوشش کریں انشاء اللہ۔

(۲) مطبخ کی عمارت کے قدیم و بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھانے میں طلبہ کو بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ کا مستقل حل نکلنا چاہئے چنانچہ

دس ہزار کا سرمایہ لگا کر میز اور بنچ فراہم کی گئیں۔

(۳) طلبہ جامعہ کی تشجیع اور ان کی تعلیمی معیار کی بلندی کیلئے انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ اچھے نمبرات سے پاس ہونے والے طلبہ کو انعامات دیئے جائیں گے۔ گذشتہ تین سالوں سے یہ انعامات نہیں دیئے جا سکے تھے۔ اس کونشن کے موقع پر یہ سارے انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

طلبہ کے اندر مضمون نگاری و انشاء پردازی کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے انجمن نے "جائزۃ الاستاذ جلیل احسن ندوی" کا فیصلہ کیا ہے۔ امسال پہلی بار اس کے مقابلے منعقد کئے گئے اور انعامات بھی انشاء اللہ اسی موقع پر دیئے جائیں گے۔

(۴) جامعہ کی تعمیراتی ضرورتیں ہم سب پر عیاں ہیں۔ زمین خدا کے فضل سے جامعہ کے پاس کافی ہے۔ اصل کمی سرمایہ کی ہے۔ ارباب خیر حضرات اور خیراتی اداروں سے تعاون حاصل کرنے کیلئے ضروری سمجھا گیا کہ تعمیراتی نقشے تیار کرالئے جائیں۔ چنانچہ انجمن نے تعمیراتی نقشوں کی تیاری میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

اسی کے ساتھ انجمن نے یہ اہم ترین فیصلہ کیا کہ جامعہ کے اندر جدید انداز کی ایک شاندار لائبریری ہونی چاہیے جو طلبہ و اساتذہ کی ضروریات کی تکمیل کرسکے۔ فیصلہ کیا گیا کہ اس لائبریری کا سارا خرچ انجمن خود برداشت کرے گی۔ اس سلسلہ میں جو سرمایہ بھی درکار ہوگا فراہم کیا جائے گا۔ کام کی ابتدا ایک طرح سے ہو چکی ہے۔ پوری لائبریری کا نقشہ بن چکا ہے اور اس کا تعارف بھی انگریزی و عربی میں تیار کیا جا چکا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی پمفلٹ کی شکل میں آجائے گا۔ اور پھر باقاعدہ مطلوبہ سرمایہ کی فراہمی کا آغاز کر دیا جائے گا۔

(۵) جامعہ کے صرف اپنے ہی مسائل نہیں ہیں بلکہ اس کے ایک اہم شعبہ کلیۃ البنات کے مسائل بھی بڑے پیچیدہ ہیں۔ انجمن کے ایک وفد نے جاکر وہاں طالبات کے مسائل سے آگاہی حاصل کی اور ان کے حل کے سلسلہ میں ذمہ داران سے گفتگو بھی کی اور مقدور بھر کوشش بھی۔ طالبات کی لائبریری کے لئے مختلف اخبارات و رسائل یا تو جاری کرائے گئے یا عنقریب جاری کرنے کیلئے انہیں خطوط بھیجے گئے۔

(۶) جامعہ کے معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے انجمن نے بھرپور سعی کی اور ذمہ داران جامعہ کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ عربی مضامین عربی میں اور انگریزی کی تعلیم انگریزی ہی میں ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی نہ کسی حد تک اس پر عمل درآمد بھی ہو رہا ہے۔

انجمن کے تیسرے بنیادی مقصد کے تحت یہ چند قابل ذکر کام انجام دیئے گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہمارے خیال میں جو کچھ بھی ہوا وہ کافی نہیں ہے بلکہ ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس کونشن میں امید ہے کہ تعاون کی مفید و موثر شکلیں دریافت کی جائیں گی۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ سب کچھ جو کیا گیا اور جس کا یہاں ذکر ہوا یہ مادر علمی پر ہمارا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ ہمارا احساس تو یہ ہے کہ مادر علمی کے عظیم و گراں مایہ احسانات کو ہلکا کرنے کی معمولی سی کوشش ہے۔ اور اس سب کے پیچھے ہمارا مقصود فقط جامعہ کی فلاح و بہبود ہے۔

چوتھا بنیادی مقصد جس کیلئے انجمن قائم ہوئی تھی وہ یہ ہے کہ مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے دیگر دینی تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سلسلہ میں اگرچہ ابھی تک کوئی خاص کام نہیں ہو سکا ہے۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن ہمارے ذہن میں چند پروگرام موجود ہیں اور مستقبل قریب میں انشاء اللہ ان کے مطابق کام شروع کر دیا جائے گا۔

(۱) ضروری نہیں کہ صرف مشہور اداروں سے ہی کام کا آغاز ہو بلکہ اگر غور کیا جائے تو مشہور اداروں کی باہمی چشمک کی وجہ سے کام کیلئے انہیں نقطۂ آغاز بنانا بہت مشکل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ چھوٹے اور غیر معروف اداروں کو اپنے کام کا نقطۂ آغاز بنائیں۔ ہماری معلومات کے مطابق ایسے بہت سے ادارے ہیں جن کے ذمہ دار یا تو ہمارے فلاحی بھائی ہیں یا جہاں وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ اہم تعلیمی کردار ادا کرسکیں۔ ہم اپنے ان بھائیوں سے رابطہ قائم کریں گے اور اپنا منصوبہ ان کے سامنے پیش کرکے تعاون کے خواستگار ہوں گے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ اس میں کامیابی حاصل

ہوگی اور بفضلہ تعالیٰ جب کام شروع ہو جائے گا تو میدان عمل میں جو تجربات حاصل ہوں گے انہیں بنیاد بنا کر نئے اور معروف و مشہور اداروں سے بھی رسم وراہ پیدا کی جائے گی اور اپنے مقصد کے حصول کیلئے ان سے بھی تعاون حاصل کیا جائے گا۔

حیات نو:۔ ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رپورٹ میں حیات نو کا خصوصی تذکرہ کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ حیات نو ایک اچھے خاصے تعطل کے بعد دوبارہ نکلنا شروع ہو گیا ہے۔ لیکن باوجود کوششوں کے مسائل کی تلوار اب بھی اس کے سر پر لٹک رہی ہے۔ اور اگر سنجیدگی سے اس کی طرف توجہ نہ دی گئی تو خدانخواستہ ایک بار پھر بند ہو سکتا ہے۔ ہم اس کنونشن میں پوری تفصیل سے صرف یہی نہ معلوم کریں کہ حیات نو کی ضروریات کیا ہیں بلکہ تعاون کی مختلف عملی شکلیں بھی دریافت کریں۔ نیز اس کے معیار کی بلندی اور توسیع اشاعت کی تدابیر بھی اختیار کی جائیں۔ سردست حیات نو کی موٹی موٹی ضرورتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) مستقل ایڈیٹر و منیجر کا انتظام (۲) مضامین کی فراہمی و معیار کی بلندی (۳) مالیات کی فراہمی

میرا احساس ہے کہ اس کنونشن میں لازماً ان تینوں ضرورتوں کی تکمیل کے لئے موثر و مفید عملی شکلیں دریافت کر لی جانی چاہئیں۔ حیات نو انجمن کے مقاصد کے حصول کیلئے ایک انتہائی موثر ذریعہ ہے اور ایک ناگزیر ضرورت بھی۔ اس لئے انجمن سے وابستہ ہونے کے ناطے اس سلسلہ میں ہم سب کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں اگر ہم سب اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور عملاً تعاون پیش کریں تو رسالے کو درپیش سارے مسائل بفضلہ تعالیٰ ختم ہو جائیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے مسائل کا شعور اور ان کے حل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ صفحہ ۲۲

اور ظلم بھی شامل تھا اور کسی چیز کی مخالفت کا یہ طریقہ بھی غلط ہو لیکن بہرحال مخالفت کی بنیادی وجہ سرسید کے افکار تھے حتیٰ کہ جمال الدین افغانی جو سرسید پر کفر کا فتویٰ دے چکے تھے۔ علوم جدیدہ کی تعلیم کے زبردست مبلغ تھے انہوں نے اپنے مضمون شرح حال افغان میں سرسید کو دہری ثابت کیا ہے جس سے مراد نیچری ہوتا ہے۔ اس لئے سرسید پر کفر کا فتویٰ اس لئے تھا کہ انہیں نیچری قرار دیا گیا تھا، انگریزی تعلیم دلانے کی وجہ نہیں۔

چنانچہ علی گڑھ کے نامور فرزند پروفیسر رشید احمد صدیقی نے خود ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"سرسید کی وقعت پسندی کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے مدرسۃ العلوم کے اعلیٰ مقاصد کو خطرے میں پایا تو اس سلسلہ کو ترک کر دیا یہاں تک کہ اس کمیٹی کے ممبر تک نہ رہے جس کے سپرد شعبہ دینیات کا انتظام تھا۔"

کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ سرسید کی مخالفت کی وجہ ان کا مخصوص فکر اور قرآن کی مخصوص تفسیر تھی جسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا اور جہاں تک تعلیمی جد و جہد اور اس میدان میں آپ کی سرگرمیاں ہیں ان کی اہمیت و افادیت سے کوئی صاحب ہوش و گوش انکار نہیں کر سکتا اور اگر کسی نے ماضی میں انکار کیا ہو گا تو آج کم از کم مسلم یونیورسٹی کو دیکھ کر اسے سرسید کیلئے دعا ضرور کرنی چاہئے کہ وہ کم از کم ہماری دعاؤں کے مستحق ضرور ہیں۔ لیکن سرسید کے خوابوں کی تعبیر مقالات اور رسالوں کے اجراء سے نہیں عمل، احکامات اور اسلام اور مسلم امت سے ربط رکھ کر آگے بڑھنے میں ہو سکتی ہے۔

بقیہ صفحہ ۳۸

مگر عربوں کی حمیت جاگی، اور حقیقی کا نعرہ جہاد بلند ہوا۔ اگر ہم اب بھی گروہی اور لسانی عصبیت کے خول سے باہر نہ نکلے اور سمجھ سے کام نہ لیا تو یہی ہماری حیثیت ہر جگہ دہرائی جانے والی ہے۔ ہمارا عیش و آرام کسی کو نہیں بھاتا اور سب کی نگاہیں اسی پر لگی ہوئی ہیں۔ اب ہمیں جینے کیلئے ذاتی مفادات اور مصلحتوں سے آگے بڑھنا ہو گا اور کسی کی حمایت و مخالفت کے پیمانے بدلنے ہوں گے۔

غزل

یلغار ہو تو جشنِ اماں کہہ دیا کرو
قتلِ سحر تو وقت کا نشاں کہہ دیا کرو

دیکھو وہاں دلوں میں جو ہے پیچ و تاب میں
اس کی ہر ایک بات میں ہاں کہہ دیا کرو

جاتے ہوئے گھروں سے نہ اظہارِ غم کرو
اس تیرگی میں روشنیاں کہہ دیا کرو

شائستۂ مقامِ تمنا نہیں ہے
چلیے اسے بھی جشنِ زیاں کہہ دیا کرو

یہاں بھی بہت اسیر ہیں اس التفات پر
اعلان ہے کہ آپ بہ دل کہہ دیا کرو

مصلحت سے عرض ہے مطابق کہہ دیا کرو
اس سے سوزِ راحتِ جاں کہہ دیا کرو

شفق طاہری

عالم اسلام

اطہر ریحان فلاحی

اسلامی کانفرنس کی صلح کوششیں ناکام

ایران نے ایک بار پھر اسلامی کانفرنس کی صلح کوششوں کو مسترد کر دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایران کے روحانی پیشوا کو یہ بات پسند نہیں کہ عوام ملک کے اندرونی حالات کی طرف توجہ کریں۔ ان کی اس سخت روش کے خلاف بے اطمینانی بڑھتی جا رہی ہے اور اعلیٰ سطح پر لوگ خوش نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں ایرانی رہنما کی رہائش گاہ پر ایک اعلیٰ سطحی خفیہ میٹنگ ہوئی جس میں بشمول وزیر اعظم اور آیت اللہ حسین علی منتظری جو کہ آیت اللہ خمینی کے جانشین کے طور پر جانے جاتے ہیں بارہ اعلیٰ سطح کے افسران شریک تھے۔ اس میٹنگ میں آیت اللہ خمینی نے یہ بات زور دے کر کہی کہ خیر سگالی اور صلح کی تمام کوششیں روک دی جائیں اب وقت آگیا ہے کہ روس کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ پہلی بار انہوں نے بڑے سخت لب و لہجہ میں صلح کے تمام امکانات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اس کے لئے ہماری ایک ہی شرط ہے کہ بغداد سے صدام حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ یہی نہیں بلکہ میٹنگ کے اختتام پر انہوں نے اپنے دستخط کے ساتھ اعلان جہاد کا فتویٰ صادر کیا باوجود اس کے کہ ان کے اس فتوے کی کسی حلقہ میں پذیرائی نہیں ہوئی۔ مسلح افواج کے کمانڈر اور وزیر داخلہ آیت اللہ ناطق نوری نے اعلان کیا کہ اس مقصد کی بازیابی کیلئے رضاکاروں کی ایک مضبوط اور بھاری فوج تیار کی جائے گی تاکہ چوتھے یوم انقلاب سے پہلے کربلا میں نماز ادا کی جا سکے۔ اس کے برعکس پانچویں بڑے آیت اللہ نے اس فتوی کی تائید سے انکار کیا ہے۔ آیت اللہ مہدی روحانی نے تو یہاں تک کہا کہ اس فتوی کا کوئی جواز نہیں۔ جہاد کا اعلان صرف ایسے حالات میں اور ایسی غیر مسلم حکومت کے خلاف کیا جاتا ہے جو کسی مسلم اسٹیٹ سے برسرپیکار ہو اور کسی صلح کے لئے آمادہ نہ ہو جبکہ عراق کی پوزیشن ایسی نہیں ہے۔

اس کے ساتھ پچھلے دنوں بحرین میں منعقدہ خلیجی عرب ممالک کی تیسری چوتھی کانفرنس میں عرب قائدین نے عراق کی مکمل حمایت کا اعادہ اور ایران کی منفی اور عدم مصالحت کی روش کی مذمت کی۔ عراق کو ہر طرح مدد کا یقین دلایا۔ گرچہ اس کے پیچھے عربی قومیت کا داعیہ بھی کارفرما ہے مگر ایران کی ہٹ دھرمی کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ یہ بات تو یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ ایران عراق پر خمینی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگا مگر مستقبل قریب میں ایک نہایت خونریز جنگ کے امکانات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے قطع نظر کہ عراق نے ایک غلطی کی تھی جس کا خمیازہ بھی اسے بھگتنا پڑا۔ اس بے مقصد اور طویل جنگ کو ختم ہو جانا چاہئے عراق کی حالیہ حکومت کے خاتمہ سے زیادہ ضروری ہے کہ افغانستان سے روسی تسلط کے خاتمہ، القدس کی آزادی اور ایک خود مختار فلسطینی حکومت کے لئے کوششیں کی جائیں۔

وحدۃ وادی النیل

مصر اور سوڈان کا سیاسی اور دفاعی محاذوں پر ایک ہونے کا فیصلہ بڑا خوش آئند ہے باوجود اس کے کہ مغربی پریس نے اس کی کامیابی پر شبہ کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا ہے عربی پریس نے اس کو بڑی اہمیت دی ہے۔ دو علیحدہ ملکوں کا وجود برقرار رکھتے ہوئے

پالیسیوں اور بین الاقوامی اہمیت کے مسائل میں باہمی اتحاد کا یہ قرار مولہ اگر کامیاب ہوتا ہے تو اس سے عرب اتحاد کو ایک نئی راہ ملے گی۔ اس معاہدہ کے تحت دونوں ملک اپنے دفاعی اور سیاسی امور کے فیصلے ایک دوسرے کے مشورے سے تعاون اور دونوں کے مصلحت و مفاد کو مدنظر رکھ کر کریں گے۔ مگر عربوں کی استعمار پسند طبیعت سے اندیشہ ہے کہ یہ فیصلہ بھی اسی طرح کے کئی پچھلے فیصلوں کی طرح عجلت پسندی، دشمنی اور جذبات کے زیر اثر ہو۔ پہلے شام، مصر و عراق، شام، لیبیا، لیبیا سوڈان وغیرہ کے انضمام تک کے فیصلے کئے گئے مگر ان کا کوئی عملی نتیجہ سامنے نہ آسکا اور یہ معاہدے کششیں دلکش و دل فریب کاغذ سے آگے نہ بڑھ سکے۔

اسی دوران یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ سوڈان نے عراق کی حمایت میں اپنی فوجیں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جبکہ مصر نے اس سے انکار کیا ہے مصر اس جنگ میں کسی فوجی حمایت کے حق میں نہیں ہے اب دیکھنا ہے کہ دونوں اتحادی متضاد نقطہ نظر کے ساتھ ایک دوسرے کے فیصلہ کا کس حد تک احترام کر سکتے ہیں اور اسی پر ان دونوں ملکوں کے اس اتحاد کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی خوش آئند ہے کہ مصر جو کہ سادات کے زمانہ میں عرب برادری سے کٹ کر رہ گیا تھا نئی قیادت اسے عرب برادری میں شامل کرنے کی خواہشمند ہے مگر بعض مصلحتوں کے تحت وہ جنگ بندی تلم اپنے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کو ختم بھی نہیں کرنا چاہتے۔ صدر حسنی مبارک نے تنظیم آزادی فلسطین کی مخصوص فوج (عین جالوت) کو مصر میں پناہ دینے کیلئے رضامندی ظاہر کی ہے۔ اب مصر نہ صرف یاسر عرفات کے خیر مقدم کے لئے تیار ہے بلکہ قاہرہ میں ان کے لئے ایک آفس کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ مصر میں وزارت تعلیم اس بات پر غور کر رہی ہے کہ وہ دوبارہ فلسطین سے متعلق بلیٹن (صوت الفلسطین) کو مصر سے نشر کرنے کی اجازت دے جو کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے بعد روک دی گئی تھی۔

افریقی چوٹی کانفرنس کے بائیکاٹ کا فیصلہ

مصر، سوڈان اور صومال نے افریقی چوٹی کانفرنس جو طرابلس میں ہونے والی ہے کے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے جبکہ فرانس نے مشروط شرکت کی آمادگی ظاہر کی ہے ان ملکوں کو یہ فیصلہ صدر قذافی کی بعض تنظیم مخالف پالیسیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اس سے پہلے بھی یہ کانفرنس بعض اسی نوعیت کے اختلافات کی وجہ سے منعقد نہ ہو سکی تھی صدر قذافی نے اپنی مافوق الفطرت عقل و ذہانت پر اعتماد کرتے ہوئے بغیر محسوس طور پر روسی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے جس سے وہ آسانی سے نکل نہیں سکتے ان کی ہیجانی کیفیت سے لیبیا نہ صرف عرب برادری سے کٹ کر رہ گیا بلکہ خود ملک کے اندر بھی بڑی بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ پچھلے دنوں اخبارات نے ان کو معزول کرنے کی ناکام کوشش کا ذکر کیا جب وہ روس کے دورے سے واپس آرہے تھے۔ اسی سازش میں ملوث تقریباً سو اعلیٰ فوجی افسران کو قید کر لیا گیا اور ان کی سزائے موت کا اعلان بھی بہرحال ہو ہی جائے گا۔ مگر اب یہ بات یقینی ہے کہ اگر صدر موصوف نے اپنی روش نہ بدلی اور لیبیا کو پھر سے اسلامی برادری میں شامل کرنے اور روسی سامراج سے نجات کی کوئی تدبیر نہ کی تو آئندہ کسی اور سازش سے وہ بچ نہ سکیں گے اور سادات کی طرح عبرتناک انجام سے بھی دوچار ہو جائیں گے۔ قذافی نے ہر نازک موڑ پر کسی ثبت اقدام کے بجائے دوسرے عرب ملکوں کی ملامت ہی کی ہے مگر اب وقت کا کچھ اور تقاضہ ہے۔

صدر لبنان کا دورہ سعودی عرب

امریکہ اور یورپ کے بعض ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد صدر لبنان امین جمیل نے پہلی بار کسی عرب ملک کا سرکاری دورہ کیا۔ اس دورہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وزیر اعظم شفیق وزان بھی ان کے ہمراہ تھے کسی ملک کے دو بڑے رہنماؤں کا بیک وقت کسی ملک کا دورہ یقیناً بڑی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ شاہ فہد نے صدر کا پرجوش استقبال کیا اور تین نشستوں میں ان کے ساتھ گفتگو کی جس میں لبنان سے متعلق امور زیر بحث آئے۔ اس دورہ سے جہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ صدر لبنان کو سعودی عرب کے مستقل تعاون اور جنگ بندی میں شاہ فہد کی کلیدی رول کا اعتراف ہے۔ وہیں اس رجحان کا بھی پتہ چلا کہ وہ لبنان کو عرب برادری سے الگ کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے اپنے اس عزم کا کھلے طور پر اظہار کیا کہ وہ لبنان کو کسی حال میں دوسرا اسرائیل کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں دیکھنے اور جلد از جلد اسرائیلی فوجوں کے انخلاء کے اپنے مطالبہ پر زور دیا۔ صدر نے جہاں لبنان کی سالمیت اور خود مختاری اور عرب برادری سے وابستگی

کی اپنی خواہش کا اظہار کیا، وہیں فلسطینیوں کے حقوق خود مختاری اور ایک فلسطینی حکومت کے قیام کی تجویز اور ضرورت سے بھی اتفاق کیا۔ شاہ نے اتنی قلیل مدت میں امین جمیل کی لبنان میں امن قائم کرنے اور عربوں میں اپنے اعتماد کی بحالی کی کامیاب کوشش کی ہے رخصت ہوتے ہوئے صدر نے کہا کہ لبنان سعودی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ ان باتوں سے کسی قدر یہ بات واضح ہو گئی کہ موجودہ صدر کا موقف عربوں اور اسرائیل کے معاملہ میں بڑی حد تک دونوں سابقہ صدر الیاس سرکیس اور بشیر جمیل سے مختلف ہے۔ اسی طرح یہ امید کی جا سکتی ہے کہ لبنان پر تسلط کا اسرائیلی منصوبہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ یہ بات بڑی مضحکہ خیز اور صلاحیتی لگتی ہے کہ حالیہ جنگ میں پریشانی فوجی بھی اسرائیلی وردیوں میں ہوتے تھے جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اندرونی سازشوں نے لبنان کو تباہ کیا اور عربی تہذیب کا مرکز لبنان کھنڈر میں تبدیل ہو گیا

اسرائیلی تفتیشی کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ

اسرائیل کی ایک تفتیشی کمیٹی نے بیگن شارون اور صابرہ کو صابرہ و شاتیلا میں جارحیت کا مجرم قرار دیا ہے جس کی بنا پر ان تینوں پر انسانیت کشی کا مقدمہ دائر کیا گیا ہے۔ ادھر اسرائیلی پارلیمنٹ میں نہ صرف اس جارحیت کی مذمت کی گئی ہے بلکہ ذمہ داریوں سے استعفاء تک کا مطالبہ کر لیا گیا۔ عوامی دباؤ سے تنگ آکر شارون نے اس جرم جو شتیلا کیمپوں کے قتل عام کی پوری ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ امریکی کانگریس کے نصف سے زائد ممبران نے اس اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی اور اسے انسانیت کشی کا نام دیا ہے۔ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ اسرائیل کے کسی اقدام کی خود یہودیوں نے مذمت کی ہو صیہونی حلقوں میں بھی اس ظلم بارہ کے خلاف غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ مغربی پریس اور اخبارات نے نہ صرف اس واقعہ پر اسرائیل بلکہ صدر ریگن پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ اور امریکہ کی ان عربوں میں خراب ہوئی ہے۔ جس سے گھبرا کر صدر ریگن نے صرف اسرائیلی وزیر اعظم پر غصہ کا اظہار کیا بلکہ اپنا خاص نمائندہ فلپ حبیب کو عرب ملکوں کے دورہ پر بھیجا کہ وہ انہیں امریکی موقف سے آگاہ کر سکیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس جرم کی پاداش میں بیگن چوکڑی کو اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے گا لبنان کے المیہ پر عربوں نے جس بے شرمی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا اور جس طرح متفقہ پر ہے وہ افسوس ناک ہے اب اس کے بعد بھی اگر وہ اتحاد و سمجھداری سے اور واقعۃً سنجیدگی سے کوئی واضح موقف نہیں طے کرتے اور امریکہ کی طرفداریوں پر اعتماد کر لیتے ہیں تو پھر قدس اور فلسطینی ریاست کے قیام کا ان کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

فکریہ

مصر اور عراق کو پوری طرح غیر موثر کر لینے کے بعد تیسری بڑی طاقت تنظیم آزادی فلسطین کو بھی نیم جاں کر دیا گیا۔ فلسطین اور افغانستان کی کہانی ایک ہی ہے۔ بیروت میں جو کچھ ہوا کل وہی کچھ کابل میں ہونے جا رہا ہے۔ ایک گول امریکہ نے کیا تو دوسرا گول اب بہرحال روس کو کرنا ہے۔ دونوں بڑی طاقتوں کے علاوہ برابر برسرپیکار ہوئے ہیں اور مشکل یہ ہے کہ مسلم ریاستیں ایک حد سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ دونوں بڑی طاقتیں داؤں کے کھیل میں بڑی مہارت اور تجربہ رکھتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ دونوں ریاستیں (امریکہ اور روس) کہیں تو ظلم اور ظالموں کی پشت پناہی کرتی ہیں اور کہیں ظلم کے سامنے خاموش رہ کر مظلوموں سے ہمدردی کا طغرہ حاصل کرتی ہیں۔ اگر بہت جوش آیا تو میدان میں براہ راست اتر آنے کی دھمکی دیتی ہیں۔ ایک وقت مظلوم کو حمایت کا دلاسا اور ظالم کو مزید ظلم کی شہ دیتی ہیں اور اس سے بھی آگے اگر انسانیت کا درد اٹھا تو دو ایک بیان دے دیا گویا مظلوم کی جھولی میں خیرات ڈال دی اور اسے ہر طرح احسان مند بنا لیا اور ہم ایسے بھولے کہ غلامی اور جھوٹی ہمدردی کا طوق بڑی آسانی سے پہن لیتے ہیں۔

مسلم دنیا اس وقت اپنی تاریخ کے مہیب ترین دور سے گذر رہی ہے ایک طرف ہم آپس میں دست و گریباں ہیں۔ دو دو سال تک بے معنی جنگیں لڑ سکتے ہیں مگر غیروں کے مقابلہ میں آتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ انسانیت سوز واقعات اور بڑے بڑے المیے نگاہوں کے سامنے گذر جاتے ہیں مگر رگ حمیت پھڑک کر نہیں دیتی۔ لبنان کو تباہ کر دیا گیا۔ اور افغانستان پر روسی جارحیت کے دانت گڑے ہوئے ہیں۔

حلقۂ یاراں

مکرمی ایڈیٹر حیات نو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

نومبر ۱۹۸۲ء کا حیات نو نظر نواز ہوا۔ حیات نو کو حیات نو دینے والوں کا شکریہ۔ خدا کرے رسالے کو حیات جاوداں نصیب ہو!

بحیثیت مجموعی رسالہ بہت خوب ہے۔ مولانا نظام الدین صاحب کا درس قرآن بہت پسند آیا۔

حیات نو کے سلسلہ میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں

حیات نو کا ایک مستقل ایڈیٹر ہونا چاہئے تاکہ رسالہ پابندی سے شائع ہوتا رہے۔

ناظم جامعہ مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی کا درس قرآن اگر ہر شمارہ میں شائع ہوا کرے تو حیات نو کی افادیت میں چار چاند لگ جائے۔

حیات نو کی شخصیات نمبر میں جو مضامین آچکے ہیں انہیں دوبارہ شائع کرنا میرے خیال میں صفحات کا ضیاع ہے۔

کاغذ کی گرانی اور حیات نو کی مالی پوزیشن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندرونی صفحات ذرا کم درجے کے ہونے چاہئیں۔

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ فیاض احمد مدراسی کا مضمون اچھا ہے۔ اس طرح کے مضامین نو مسلموں کے قلم سے آتے رہیں تو بہت مفید ثابت ہوں گے

جامعہ کے لیل و نہار کے کالم کو ایسا دلچسپ بنائیں کہ ہر شخص پڑھنے کے لئے بے قرار رہے۔

نظمیں اور لغت غیر مطبوعہ ہونی چاہئیں۔ احمد ندیم قاسمی کی لغت کے صفحے پر جو بیل بوٹے بنے ہیں حیات نو جیسے رسالے کو ان مصنوعی بیل بوٹوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

والسلام

راغب کرکی

(مظفر نگر: یوپی)

محترم ایڈیٹر صاحب!

سلام مسنون

میں حیات نو کا مطالعہ ایک عرصے سے برابر کرتا رہا ہوں اور ہر شمارے کا نہایت شدت سے انتظار کرتا ہوں یوں تو ہر شمارہ اپنے ساتھ بہت سی خوبیاں لیکر آتا ہے۔ لیکن دسمبر ۸۲ء کا شمارہ پچھلے تمام شماروں سے زیادہ آب و تاب لئے ہوئے ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ پچھلے تمام شماروں پر فوقیت حاصل ہے ٹائٹل اپنی سادگی کے باوجود دیدہ زیب اور دلکش ہے۔ ڈاکٹر شمس کا کالم بہت پسند آیا۔ یقیناً یہ ہر اس شخص کے دل کی آواز ہوگا جو ملک کی صورتحال کا حقیقت پسندی سے تجزیہ کرتا ہوگا اسی طرح تعدد ازدواج بھی اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے خدا حیات نو کو نظر بد سے بچائے آمین

والسلام

شمیم اختر بیگ

اشعر القطری

جامعہ کے لیل و نہار

انجمن طلبۂ قدیم کا دوسرا دو سالہ کنونشن بحسن و خوبی اختتام پذیر

انجمن کی تاریخ میں ۲۱، ۲۲، ۲۳ / اکتوبر کی تاریخیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ انجمن طلبۂ قدیم کا دوسرا دو سالہ کنونشن انہی تاریخوں میں منعقد ہوا۔ مقررہ تاریخ کو ہی فلاحی برادران کی ایک بڑی تعداد جامعہ پہونچ گئی، ہر طرف ہما ہمی کا عالم ہے، ہر شخص کا چہرہ کھلا ہوا ہے۔ اساتذہ اپنے شاگردوں کو سینے سے لگانے کے لئے بیتاب اور فلاحی برادران اپنے مادر علمی کو دیکھکر اور اپنے اساتذہ سے مل کر آبدیدہ ہیں طلباء اپنے بھائیوں کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں اور انکے استقبال میں لگے جا رہے ہیں

۲۲/ اکتوبر کو بعد نماز فجر صدر جامعہ مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی کے درس قرآن سے اس کنونشن کی پہلی نشست کا آغاز ہوا۔ دوسری نشست میں ناظم جامعہ مولانا صدر الدین صاحب کا پیغام طلبائے جامعہ کے نام پڑھکر سنایا گیا۔ اور اس کے بعد جب مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی نے استقبالیہ کلمات کہے تو محفل پر رعب و وقار کا عالم طاری تھا، تقریر اس قدر موثر اور دلی جذبات سے ہم آہنگ تھی کہ طلباء و اساتذہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

انجمن طلبۂ قدیم اور جمعیۃ الطلبہ کے درمیان فٹبال میچ

انجمن طلبۂ قدیم کے دوسرے دو سالہ کنونشن کے تیسرے اور آخری دن بعد نماز عصر انجمن طلبۂ قدیم اور جمعیۃ الطلبہ کے درمیان ایک فٹ بال میچ کا مقابلہ رکھا گیا جس میں انجمن طلبۂ قدیم اپنی پوری کوشش کے باوجود جمعیۃ الطلبہ کے سامنے [illegible] اور تین - زیرو سے شکست کھا گئی۔ اس وقت تمام طلبہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے جب انجمن طلبۂ قدیم میں سے کسی نے باواز بلند یہ فقرہ چست کیا کہ ہم نے بچوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر جان بوجھ کر شکست کھائی ہے۔

ناظم دار المصنفین کی آمد

انجمن طلبۂ قدیم کے تیسرے اجلاس میں دار المصنفین شبلی اکیڈمی کے ناظم سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب اور ان کے رفقاء کار اور محبین جامعہ کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ سید صباح الدین صاحب نے تاریخ کی روشنی میں مسلمانوں کے کردار کو واضح کرنے کی کوشش کی اور ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کوششوں کو سراہا

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جمعیۃ الطلبہ نے بھی اپنا ایک پروگرام رکھا جس میں سکریٹری جمعیۃ الطلبہ سمیع احمد ایوبی نے جمعیۃ الطلبہ کی ایک اجمالی رپورٹ پیش کی

اس کے بعد اردو میں سید راشد علی حامدی، عربی میں شوکت علی کانپوری اور انگریزی میں خلیل اقدس عزالی نے تقریریں کیں اور سرفراز احمد اشفاقی نے علامہ اقبال کی ایک نظم پیش کی۔

تقاریر سے خوش ہو کر جہاں گرامی قدر مولانا [illegible] صاحب اصلاحی نے دار المصنفین کی جانب سے مقررین کو [illegible]

بقیہ صفحہ